دائرۃ المعارف

یعنے

معارف اعظم گڈھ

کی

۶۶ ویں جلد

جولائی ۱۹۵۰ء تا دسمبر ۱۹۵۰ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی و شاہ معین الدین احمد ندوی

مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ

سنہ ۱۹۵۰ء

فہرست مضمون نگارانِ معارف

(جلد ۶۶)

جولائی سنہ ۱۹۵۰ء تا دسمبر سنہ ۱۹۵۰ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

فہرست مضامین معارف

(جلد ۶۶)

جولائی سنہ ۱۹۵۰ء تا دسمبر سنہ ۱۹۵۰ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

جلد ۶۶ ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۵۰ء عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

حکومت کی زبان ہندی قرار پاجانے کے بعد اردو زبان کی خدمت کی نوعیت اور اس کے طریقۂ کار میں کچھ نہ کچھ تبدیلی ناگزیر ہے، اس لئے انجمن ترقی اردو ہند نے نئے حالات کے مطابق اپنے اغراض و مقاصد اور لائحۂ عمل متعین کیا ہے، اس میں دوسرے کاموں کے ساتھ ہندوستانی زبان کی اشاعت دیوناگری اور رومن رسم الخط میں اور اردو کی معیاری کتابوں کا منتقل کرنا بھی ہے، غالباً اس کی مصلحت یہ ہے کہ ہندوستانی زبان اور ہندی رسم الخط کے ذریعہ جو خالص اردو زبان اور اس کے رسم الخط کے مقابلہ میں ہندی سے زیادہ قریب ہے، اردو کے مخالفوں کی شدت کم اور ان کو اس کی جانب مائل کیا جائے، اور جو نئی زبان بن رہی ہے، اس کو ہندوستانی سے متاثر کیا جائے، اس طرح کسی نہ کسی حد تک اردو کا وجود باقی رہ جائے گا، گو یہ مصلحت حقیقت سے یکسر خالی تو نہیں ہے لیکن اس میں حسن ظن کو زیادہ دخل ہے، جس ذہنیت کو آسان ہندی تک گوارا نہیں، وہ ہندوستانی کو کس طرح برداشت کر سکتی ہے،

درحقیقت موجودہ حالات میں جو کچھ خطرہ ہے وہ علمی و ادبی اردو کے لئے ہے، عام بول چال کی زبان کو جسے اردو کہا جائے یا ہندوستانی کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، اور اسے کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی، زبانیں جبر اور قانون کے ذریعہ نہیں بنائی جاتیں، بلکہ وہ مختلف طبعی عوامل کے ماتحت صدیوں میں خود بخود بنتی اور بگڑتی ہیں، اس لئے جو نئی مصنوعی زبان بنائی جارہی ہے، وہ کبھی عوام کی زبان نہیں بن سکتی، اور اس کا دائرہ حکومت کے دفاتر اور علم و فن تک محدود رہے گا، روزمرہ کی زبان پر اس کا بہت کم اثر پڑیگا، زیادہ سے زیادہ اس میں ہندی کے کچھ الفاظ داخل ہو جائیں گے، اور وہ تھوڑے تغیر کے ساتھ قائم رہے گی، اس کے مخالفین بھی بجز اس کے کہ نیل گھوڑے کی طرح اس کا نام بدل دیں، اسکو نہیں چھیڑ سکتے، اس لئے اس کو بچانے کے لئے ہندوستانی کو وسیلہ بنانے کی ضرورت نہیں، اور علمی و ادبی اردو کو جو خطرات ہیں، ان کے لئے یہ تدبیر کارآمد نہیں ہے، وہ اپنے حامیوں کی کوششوں ہی سے قائم رہ سکتی

نئی زبان کو اردو سے متاثر کرنے کے لئے بھی ہندوستانی کو وسیلہ بنانے کی ضرورت نہیں، اس مقصد کے لئے اردو اور ہندوستانی دونوں برابر ہیں، اس لئے کہ جب ایک مقام پر ایک سے زیادہ زبانیں رائج ہوں گی تو وہ فطری طور سے ایک دوسرے سے متاثر ہوں گی، اس میں اردو اور ہندی کی تفریق نہیں، بلکہ ان کے بجائے اگر ہندوستان میں عربی اور فارسی بھی بول چال کی زبان ہوتی، تو ہندی ان سے بھی متاثر ہوتی جس طرح ایک زمانہ میں ہو چکی ہے، اس لئے نئی زبان پر اثر ڈالنے کے لئے بھی ہندوستانی کی ضرورت نہیں ہے، وہ اردو دشمنی کے باوجود اس سے متاثر ہو کر رہے گی، اور ان دونوں کے میل جول سے جو زبان پیدا ہوگی، وہی اصلی ہندوستانی ہوگی،

اس تحریر کا مقصد ہندوستانی زبان کی مخالفت نہیں ہے، اگر کوئی ادارہ اسکی تبلیغ و اشاعت کرتا ہے تو یہ بھی ایک مفید کام ہے، لیکن انجمن ترقی اردو کا یہ کام نہیں ہے، اس کو ہندوستانی کلچر سوسائٹی الہ آباد اور اس کے رسائل عرصہ سے انجام دے رہا ہے جس میں ہندو مسلمان دونوں شریک ہیں، انجمن کا مقصد خالص اردو کی خدمت ہونا چاہئے، اردو کی معیاری کتابوں کو ہندی رسم الخط میں منتقل کرنے کی تجویز البتہ معقول و مفید ہے، اس سے ہندی زبان اور ہندی دان طبقہ دونوں متاثر ہوں گے، لیکن رومن رسم الخط کی مصلحت سمجھ میں نہیں آتی، یہ محض اندھی تقلید ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں،

انجمن نے دوسرا مفید کام اپنے ذمہ یہ لیا ہے کہ سرکاری اسکولوں میں اردو کے ساتھ جو بے اعتنائی بلکہ دشمنی برتی جارہی ہے، اور اسکو ان حقوق سے بھی محروم کیا جارہا ہے، جو دوسری مقامی زبانوں کے طفیل میں اس کو حاصل ہوئے ہیں، ان کی تحقیقات و تدارک کے لئے ایک کمیٹی بنا دی ہے، جس نے اپنا کام شروع کر دیا ہے، اس کا مرکز لکھنؤ ہے، اب یہ اردو کے بہی خواہوں کا فرض ہے کہ وہ شعبۂ تعلیم کے حکام کی اردو دشمنی اور اسکولوں میں اردو کی حق تلفی کے صحیح واقعات سے کمیٹی کو گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ کے پتہ پر مطلع کریں،

پاکستان کی قومی زبان اردو مان لی گئی ہے، لیکن اخبارات کی اطلاع سے معلوم ہوتا ہے، کہ سرکاری دفتروں اور تعلیم گاہوں میں ابھی بدستور انگریزی مسلط ہے، گو اس بارہ میں اتنی عجلت اور سختی کی ضرورت نہیں کہ تمام دشواریوں اور مقامی زبانوں کے حقوق کو نظر انداز کر کے فوراً اردو کو جبری رائج کر دیا جائے، لیکن یہ ضروری ہے کہ مقامی زبانوں کی اہمیت کو قائم رکھتے ہوئے وہ تمام ذرائع اختیار کئے جائیں جن سے جلد سے جلد

اردو دفتری اور تعلیمی زبان بن سکے، اور انگریزی کی احتیاج باقی نہ رہ جائے، اردو کسی ضرورت کی تکمیل سے بھی قاصر نہیں ہے، حیدرآباد میں اس کا پورا تجربہ ہو چکا ہے، اور اردو برسوں سے حکومت کے تمام شعبوں اور یونیورسٹی کی تعلیم زبان رہ چکی ہے، اسی کے ذریعہ ہر فن کی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم ہوتی رہی ہے جس کے نتائج سب سامنے ہیں، اور کسی شعبہ کو اس کی تنگ دامانی کی شکایت نہیں ہوئی، اب یہ بار امانت پاکستان کو اٹھانا ہے، اس کے لئے اردو کی اہمیت تنہا لسانی نہیں بلکہ مذہبی اور تمدنی بھی ہے، مذہب کے بعد وہی اہل پاکستان میں قومی اور تمدنی وحدت کا ذریعہ ہے، اس لئے اس کو جلد سے جلد عملاً قومی زبان بنانے کی ضرورت ہے،

ہم نے لاہور کے اس ناشر کے خلاف جس نے سیرۃ النبی جلد اول چھاپ لی تھی، پاکستان کی حکومت اور وہاں کے اخبارات کو توجہ دلائی تھی، ہم کو مسرت ہے کہ ان دونوں بلکہ اہل پاکستان نے بھی اپنی اخلاقی وعلمی ہمدردی کا ثبوت دیا اور لاہور کے مشہور تاجر کتب شیخ مبارک علی صاحب کے ذریعہ یہ معاملہ بخیر و خوبی طے ہو گیا، دار المصنفین اپنے ان تمام ہمدردوں کا شکر گزار ہے، اب اس کی قانونی بندش بھی کر دی گئی ہے، اس لئے آئندہ کوئی صاحب دار المصنفین کی کسی کتاب کے چھاپنے کا قصد نہ کریں،

سکہ کے اختلاف کی وجہ سے عرصہ سے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان وی پی آجا نہیں سکتے، اب ایک نئی دشواری یہ پیدا ہو گئی ہے کہ پاکستان کے تاجر کتب حکومت سے لائسنس حاصل کئے بغیر ہندوستان سے کتابیں نہیں منگا سکتے، اس لئے فی الحال پاکستان سے تجارت بالکل بند ہے، لیکن یہ صورت عارضی ہے، اور یقین ہے کہ تاجر کتب جلد لائسنس حاصل کر لیں گے، لیکن سکہ کے تبادلہ کی دشواری پھر بھی باقی رہ جائیگی، اس لئے جب تک اس کا مسئلہ حل نہیں ہوتا، اس وقت تک شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور دار المصنفین کے ایجنٹ ہیں، جن لوگوں کو یہاں کی کتابوں کی ضرورت ہو وہ شیخ صاحب سے طلب کریں، اور پاکستان کے معارف کے خریدار اپنا چندہ بھی انہیں کے پاس بھیجیں ان سب کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لیکن ان کے اعتماد پر رسالہ بند نہیں کیا گیا، اس لئے ان کا بھی یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ فوراً اپنا چندہ ادا کر دیں،

مقالات

جن سے میں متاثر ہوا

از

سید سلیمان ندوی

آل انڈیا ریڈیو دہلی نے کئی سال ہوئے مذکورۂ بالا عنوان سے ہندوستان کے ممتاز علماء و مشاہیر سے تقریروں کا ایک سلسلہ نشر کرایا تھا، اس سلسلہ میں حضرت الاستاذ مدظلہ نے بھی تقریر فرمائی تھی، یہ تقریر مختلف حیثیتوں سے قابل اشاعت تھی، لیکن اس کی نوبت نہ آسکی اور اب کئی سال کے بعد یہ تحفہ ناظرین معارف کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے، (بہ شکریہ آل انڈیا ریڈیو دہلی)

انیسویں صدی ختم ہو رہی تھی، تو میرے ہوش اور تمیز کی آنکھیں کھل رہی تھیں، پندرہ سولہ برس کا سن ہو گا، اس وقت قدیم و جدید کی کشمکش سے سارا ہندوستان خیالات کا دنگل بن رہا تھا، کانوں میں دو قسم کی تحریکوں کی آوازیں دمبدم آ رہی تھیں، ایک سرسید کی تحریک یعنی انگریزی تعلیم کی اشاعت اور مذہب میں عقل اور فطرت کی مطابقت کی کوشش، اور دوسری علماء کو نئے زمانہ کے نئے خیالات اور فلسفہ سے آشنا کرکے پرانی عربی تعلیم کی از سر نو تنظیم کی تحریک، جس کو لے کر چند روشن خیال علماء اٹھے تھے، اور یہ بھی عجیب بات تھی کہ اس تحریک کا مرکز بھی علی گڈھ کی ایک عربی درس گاہ تھی، جو مولانا لطف اللہ صاحب کی ذات سے عبارت تھی، اس تحریک کا دوسرا مرکز دہلی تھا، جہاں مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی درس دیتے تھے،

کانون مین یہ دونون آوازین پڑین، مگر میرا خاندانی ماحول اسی دوسری تحریک سے متاثر تھا، اس لئے اسی دوسری تحریک سے دلچسپی ہوئی، اور وہ بڑھتی گئی، اور پھیلتی گئی، اور وہی میری زندگی کا جزو بن گئی،

اس تحریک کا پہلا اثر یہ تھا کہ علمائے قدیم و جدید کی آمیزش سے نئی عربی درسگاہ کے قیام کی کوشش کی، اور سب سے پہلے مولوی سید نذیر حسین صاحب کے مشہور شاگرد مولانا ابراہیم صاحب آروی نے آرہ صوبۂ بہار مین مدرسۂ احمدیہ کی بنیاد ڈالی، اور اس کے بعد ندوۃ العلماء نے لکھنؤ مین اپنا نیا مدرسہ دارالعلوم کھولا، میرے والد مرحوم نے مدرسۂ احمدیہ مین مجھے بھیجنے کا ارادہ کیا، مگر میرے خاندان کے چند عزیزون کا تعلق ندوۃ العلماء کی تحریک سے تھا، اس لئے دارالعلوم ندوہ لکھنؤ مین داخلہ کی تجویز میرے لئے مناسب بتائی گئی، مگر ابھی اسکے داخلہ مین کچھ تاخیر تھی، تو چند ماہ بہار کے مشہور علمی و مذہبی حلقہ خانقاہ پھلواری مین مجھے رکھا گیا، یہان خانقاہ مین ہر ہفتہ قوالی ہوتی تھی، اس کے اثر سے اس قصبہ مین شعر و سخن کا خاصہ چرچا تھا اور ہے، مین نے بھی اس فضا مین سانس لی، اور یہین سب سے پہلے مین نے مولوی عبد الحلیم شرر کا ناول "منصور موہنا" دیکھا، اس کا یہ اثر ہوا، کہ جس وقت کتاب ختم کی، خوب پھوٹ پھوٹ کر رو دیا،

ایک برس کے بعد مجھے دربھنگہ کے ایک اور نئے مدرسہ امدادیہ مین جو دارالعلوم ہی کے خاکہ پر بنا تھا، دو اب تک ہی چند ماہ رکھا گیا، یہان سب سے پہلے مین نے طلبہ کی انجمن دیکھی، اور لوگون کی تقریرین سنین، اور دوسرے ہی ہفتہ مین وقت کے عنوان پر ایسی تقریر کی کہ ہر طرف سے شاباش ملی،

مین نے جس ندوۃ العلماء کا اوپر ذکر کیا، وہ علما کی ایک مجلس کا نام ہے، جس نے سب سے پہلے علماء کی منتشر جماعت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا، اور قوم و ملت اور علم و فن کی خدمت کے نئے راستون اور نئے طریقون سے ان کو مانوس کیا، اس کے جلسے سال بسال ہندوستان کے بڑے بڑے شہرون مین ہوتے تھے، ۱۹۰۰ء پورا ہو رہا تھا جب اس مجلس کا سالانہ جلسہ بڑے دھوم دھام سے پٹنہ مین ہوا، یہ جلسہ کیا تھا، جوش و خروش کا ایک سمندر تھا، یہ پہلا موقع تھا جب پرانے اور ہیئت کے پرانے علما، اور نئے تعلیم یافتہ اصحاب دونون نے ایک پلیٹ فارم پر بیٹھکر قوم و ملت

کی چارہ نوازی کی فکرین کین، مین بھی اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ اس جلسہ مین شریک تھا، میری آنکھون نے قومی خدمت کا یہ پہلا تماشا دیکھا تھا، مین نے اسی جلسہ مین یہ پُر اثر منظر دیکھا کہ کوٹ پتلون مین ملبوس ایک بیرسٹر تقریر کر رہے تھے، اور خود رو رہے تھے، اور بڑے بڑے جبہ و دستار والے علماء اور مشائخ کو رلا رہے تھے،

اسی جلسہ مین سب سے پہلے مین نے اس سلسلۂ تقریر کے اگلے مقرر یعنی شیخ (سر) عبد القادر لاہور کو دیکھا، وہ اس وقت آبزرور کے اڈیٹر تھے، وہ اپنی اس تقریر کی تمہید مین ٹرنسوال مین بوئرون کی لڑائی کی مختلف خبرین جو اس وقت آ رہی تھین، دلچسپ انداز مین اُن کا حوالہ دیکر یہ کہہ رہے تھے کہ "اخبار نویسون کی بات پر اعتبار کیونکر کیا جائے" اس تمہید کے بعد انھون نے کہا کہ "مین بھی اخبار نویس ہون، اور اگر تم سے یہ کہون کہ تمھارے بزرگون کی بہت بڑی دولت آج بھی الماریون اور صندوقون مین بند پڑی ہے مگر تم کو خبر نہین، تو تم کو بھی میری اس بات کا کیونکر یقین آئے گا" یہ کہکر انھون نے ندوۃ العلماء کی نگرانی مین اگلے بزرگون کی کتابون کو محفوظ کرنے کی تجویز پیش کی، ان کی تقریر ایسی دلچسپ تھی کہ جس نے پورے جلسہ کے ساتھ مجھے بھی محو حیرت بنا دیا، اور دل مین ایسی ہی تقریر کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا جس کی مشق بعد کو ہوئی، جلسہ کے اختتام پر میرے شوق نے پر و بال پیدا کئے، اور مین آ کر لکھنؤ پہنچا اور ندوۃ العلماء کی درسگاہ مین داخل ہو گیا، اور یہ وہ مقام تھا جو اس وقت سارے ہندوستان کے علماء کا مرکز اور قوم کے بڑے بڑے لوگون کا مرجع بنا ہوا تھا، یہین آنکھون نے سب کچھ دیکھا، اور کانون نے سب کچھ سُنا،

یہان ہندوستان کی ایک مشہور ہستی صدر مدرس تھی، مولانا فاروق چریاکوٹی، یہ اپنے زمانہ مین ادب اور معقولات کے امام تھے، ان کی خاص چیز اُن کے پڑھانے کا طریقہ تھا، وہ جو کچھ پڑھاتے تھے کلی طور سے پڑھاتے تھے اور اسکی مشق کراتے تھے، صرف و نحو، ادب، عروض، منطق و فلسفہ، ہر ایک فن مین ان کا یہی طرز تھا، دوسری خصوصیت ان کی یہ تھی کہ وہ کتاب کے لفظون کے پابند نہ تھے، یعنی وہ کتاب نہین پڑھاتے تھے، بلکہ اس فن کے مسائل پڑھاتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ طالب علم فن پر قابو پا لیتا تھا، انکی طرز تعلیم کی

بہتری کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مولانا شبلی جیسا کامل ان کی درسگاہ سے پیدا ہوا،

بہرحال موصوف کے طرز تعلیم نے چند ہی دنون مین یہ کیفیت پیدا کر دی کہ آنکھون سے پردے ہٹ گئے اور وہ مسئلے جو پہلے استادون کے سمجھانے سے سمجھ مین نہین آئے تھے، وہ روز روشن کی طرح نظر آنے لگے، یہ پہلی شخصیت تھی، جس نے میرے دل و دماغ پر اپنا پرتو ڈالا،

مین کہہ چکا ہون کہ اردو ادب کی پہلی کتاب مولانا شرر کی منصور موہنا میرے ہاتھ مین آئی، اس لئے میری تحریر پر سب سے پہلا اثر شرر کے طرز تحریر کا پڑا،

۱۹۰۱ء مین شیخ عبدالقادر نے لاہور سے مخزن نکالا، آج کل کے بہت سے بوڑھے اہل قلم اُس کے نوجوان مضمون نگار تھے، مین نے بھی اپنی زندگی کا پہلا مضمون اسی مین لکھا، بلکہ اسی کو پڑھکر مضمون لکھنے کی تحریک دل مین پیدا ہوئی،

۱۹۰۴ء مین خود ندوہ کی طرف سے الندوہ نکلا، مولانا سید عبدالحئی صاحب مددگار ناظم ندوہ نے مجھے اس مین مضمون لکھنے کی طرف متوجہ کیا، مین نے ایک مضمون علم حدیث اور دوسرا منطق پر لکھکر پیش کیا، دونون قبول ہوئے اور الندوہ مین لکھنے کو دیئے گئے، مگر عین وقت پر میری علمی زندگی کے اصلی رہنما مولانا شبلی ۱۹۰۵ء مین ندوہ آگئے، یہ دونون مضمون شرر مرحوم کے طرز مین تھے، مولانا نے پہلے مضمون کو تو کچھ اصلاح دیکر باقی رکھا، اور دوسرے کو جس مین شرریت زیادہ تھی نکال ڈالا، اس وقت سے مولانا کے رنگ کی تقلید شروع کی، مگر اصل منزل تک پہنچنے مین کچھ دیر لگی کیونکہ ابھی یہ رنگ پوری طرح چڑھنے بھی نہ پایا تھا، کہ ۱۹۰۶ء مین شمس العلماء آزاد دہلی کی سخندان پارس کے مطالعہ کا اتفاق ہوا، اس کی دلکشی نے اپنی طرف کھینچا، ایک دو مضمون اُس رنگ مین لکھے، مگر یہ طرز تحریر ایسا تھا کہ جو آمد ہو تو کیا کہنا، اور بدقسمتی سے اگر وہ آمد ہو تو اُس سے بُرا کوئی اور نہین (تو ناچار اُدھر سے ہٹ کر پھر استاد کی بتائی ہوئی شاہ راہ پر آجانا پڑا، کیونکہ علمی مضامین کے لئے اُن کے طرز تحریر سے بڑھکر کوئی دوسرا طرز کارآمد نہین، اس لئے بار بار

اُن سے اصلاحین لین، اُن کی ایک ایک تصنیف کئی کئی دفعہ پڑھی، اور سالہا سال اُن کی صحبت اٹھائی، تو علمی زندگی کا ایک نہج تقریر کا ایک طرز اور تحریر کا ایک رنگ نکل آیا،

میرا سیاسی ذوق بھی مولانا شبلی مرحوم کا فیض ہے، وہ اٹھارہ برس سرسید کے ساتھ رہنے کے باوجود اُن کے سیاسی خیالات کے سخت مخالف تھے، پھر طرابلس کی لڑائی، مسجد کانپور کا ہنگامہ اور بلقان کی جنگ نے اس نشہ کو اور تیز کیا، اسی کا نتیجہ تھا کہ مولانا ابوالکلام نے جو خود بھی مولانا شبلی کی صحبتون سے متاثر تھے، جب ۱۹۱۲ء مین اپنا اخبار الہلال نکالا، تو مین اس کے اسٹاف مین شامل ہو گیا، اخبار کے لٹریچر اور ادبی سطح کو یکسان رکھنے کے لئے مین نے اسی کے طرز مین لکھنا شروع کیا، چنانچہ الہلال مین اس زمانہ مین مین جو تحریرین میرے قلم سے نکلین، ان مین ابوالکلام کا طرز اتنا نمایان ہے کہ لوگ غلط فہمی سے اس کو مولانا ابوالکلام کے نام سے بے تکلف چھاپ رہے ہین، اور پڑھ رہے ہین، اور میری پہلی کتاب ارض القرآن مین بہت کچھ مٹانے پر بھی اس کی جھلک موجود ہے،

معارف مین جو شذرات لکھے جاتے ہین، اس کا آغاز مین نے الہلال ہی مین کیا تھا، لیکن معارف مین آکر ہلالیت کم ہو کر ایک اور خاص رنگ ابھر آیا،

لیکن بہرحال چند روز ادھر ادھر بہک کر پھر اسی راستہ پر آگیا، جس پر استاد مرحوم نے لاکر مجھے کھڑا کر دیا تھا، خصوصیت کے ساتھ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مین اپنے جانتے اُن کے طرز ادا کے نباہنے کی پوری کوشش کی ہے،

مین نے شروع ہی مین اپنے ایک جرم کا جس کو مین چھپاتا رہا۔ ہلکا سا اقبال کر لیا ہے، یعنی شعر و سخن کا ذوق مین نے جب آنکھ کھولی، تو ملک مین امیر اور داغ کے معرکے تھے، میرے ایک استاد شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ صاحب مدرس دارالعلوم جو جنرل عظیم الدین خان کے زمانہ مین رامپور مین رہے تھے، اور وہان منشی امیر احمد صاحب مینائی کی صحبت برسون اُٹھائی تھی، وہ اکثر امیر مرحوم کے تذکرے کیا

کرتے تھے، اور اُن کے شعر سُناتے تھے، ایک اور اتفاق یہ ہے کہ حضرت امیر مینائی کے جلیل القدر شاگرد جلیل، مانک پوری جواب نواب فصاحت جنگ سے مخاطب ہیں، اُن کے بڑے صاحبزادہ مولوی صادق صاحب (متوسل سرکار نظام) میرے ساتھ دار العلوم ندوہ میں پڑھتے تھے، ان کے ذریعہ سے حضرت امیر کی بہت سی غزلیں میری نظر سے گذریں اور دل میں امیر مرحوم کی قدر و منزلت گھر کر گئی، دیوان مرآۃ الغیب اکثر مطالعہ میں رہتا، دار العلوم میں لڑکوں کے مشاعرے ہوتے تھے غزلیں پڑھی جاتی تھیں، ایک صاحب داغ کا روپ بھرتے تھے، اور مجھے امیر مرحوم کی پیروی کا دعویٰ تھا، لیکن ۱۹۱۲ء میں جب مولانا شبلی نے نئی اردو شاعری کی طرح ڈالی، تو دل نے اس میں بھی استاد کی پیروی کا حق ادا کرنا چاہا، متعدد نظمیں اس رنگ میں لکھیں، جن کا خاتمہ استاد کے ماتم پر ہوا، جو نوحۂ استاد کے نام سے ۱۹۱۵ء میں پونہ میں چھپا، جہاں ان دنوں دکن کالج میں فارسی کا لکچرر تھا، میں نے جب یہ نوحہ لکھا تو اکبر الٰہ آبادی، ڈاکٹر اقبال، عزیز لکھنوی، مولانا شروانی وغیرہ اور استاد مرحوم کے اکثر دوستوں اور قدر دانوں کے پاس اس کو تحفہ بھیجا، سب نے تعریفیں کیں، اور دل بڑھایا، مگر ایک آزمودہ کار صاحب کمال ایسا تھا جس نے شفقت کی راہ سے مجھے لکھا کہ معاف کیجئے آپ شاعر نہیں، اور اس کے بعد ایک ایسا نکتہ مجھے بتایا جو میرے دل میں پیوست ہو گیا، انھوں نے فرمایا کہ جب تک انسان کسی فن میں کامل نہ ہو جائے، اس کو دوسروں کے سامنے عرضِ ہنر نہیں کرنا چاہئے، میں نے اسی دن بساطِ سخن لپیٹ دی اور شاعری سے توبہ کرلی، اس کے بعد اگر کبھی دل کے تقاضے سے مجبور ہو کر کچھ کہا تو اس کو عیب کی طرح چھپایا، اور اگر چھپ نہ سکا، اور چھپ گیا، تو نام کو رمز و اشارہ بنا دیا، یہ آزمودہ کار صاحب کمال جنھوں نے مجھے یہ قیمتی نصیحت کی، جس نے میرے رُخ کو نظم سے تمام تر نثر کی طرف پھیر دیا، نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی تھے،

اسی طرح طالب علمی کے زمانہ میں ایک اور بزرگ نے عین وقت پر میری ایسی رہبری کی جس نے میرے خیالات کی دنیا پلٹ دی، یہ بزرگ ندوۃ العلماء کے پہلے ناظم مولانا سید محمد علی صاحب ہیں، مجھے

اُس زمانہ میں عربی ادب اور منطق کا شوق تھا، ایک دن انھوں نے مجھے بلوا کر پوچھا کہ تم کو کس کس فن سے ذوق ہے، میں نے عربی ادب اور منطق کا نام لیا، فرمایا کیوں، میں نے کہا اس لئے کہ یہ دونوں دوسرے اصل مقصود علوم کے خادم اور ذریعہ ہیں، ارشاد ہوا کہ آخر ان اصل علوم کی طرف توجہ کب ہو گی، عرض کی جب اُن میں کمال پیدا ہو جائے گا، فرمایا تو اسی خادم اور ذریعۂ علوم میں تو ہمارے علماء کی پوری عمریں بسر ہو جاتی ہیں، اور اصل مقصود کی نوبت نہیں آتی، اس پر انھوں نے یہ حکایت بیان کی، کہ ایک صاحب کو تصنیف کا شوق پیدا ہوا، تو وہ قلم بنا بنا کر رکھنے لگے، یہاں تک کہ تمام کمرہ قلموں سے بھر گیا، کسی نے اُن سے پوچھا کہ حضرت یہ آپ اتنے قلم بنا بنا کر کیوں رکھ رہے ہیں؟ تو متانت سے ارشاد ہوا کہ "میرا ارادہ تصنیف کا ہے"، پوچھنے والوں نے کہا کہ "پھر وہ کب ہو گی"؟ فرمایا جب ان قلموں سے فرصت ملے گی"،

تمثیل اس بات کی تھی کہ عربی نصاب تعلیم کا بڑا حصہ دینی علوم کی تمہید اور ذریعہ کے طور پر پڑھایا جاتا ہے، مگر ہوتا یہ ہے کہ یہ ذریعہ تعلیم اصل تعلیم کی جگہ لے لیتا ہے، مولانا کی یہ حکایت میرے لئے اس درجہ موثر ہوئی کہ میں نے پھر تمام عمر ذریعۂ علوم اور مقصد علوم کے درمیان کبھی مغالطہ نہیں کھایا،

دار العلوم ہی میں تھا کہ ایک اور بزرگ سے نیاز حاصل ہوا، یہ مولانا شبلی کے ماموں زاد بھائی مولانا حمید الدین صاحب بی اے تھے، یہ عربی کے عالم اور انگریزی کے گریجوایٹ تھے، فلسفہ میں وہ ڈاکٹر آرنلڈ کے اور ادب میں مولانا فیض الحسن سہارنپوری کے شاگرد تھے، یہ ان لوگوں میں تھے جو ذہنی علوم کی تکمیل کی بھول بھلیوں سے نکل کر اصل مقصد کی منزل تک پہنچ گئے تھے، سالہا سال سے وہ قرآن پاک کے حقائق و معانی پر غور کر رہے تھے، اُن سے قرآن پاک اور فلسفۂ جدید کے سبق تو کم ہی پڑھے، مگر صحبت بار بار اُٹھائی، اور مشکلات میں مشورے بار بار کئے، سیرت کی تیسری جلد میں جو معجزات پر ہے، انہی کے فلسفہ کی تقلید کی ہے،

سب جانتے ہین کہ میرا تصنیفی ذوق مولانا شبلی مرحوم کی تربیت کے دامن مین پرورش پایا ہے،
استاذ مرحوم کا طریقہ یہ تھا کہ وہ نوآموزون کو پہلے مضمون لکھنے کی ہدایت کرتے تھے، کبھی وہ عنوان خو
بتاتے تھے، اور کبھی طالب علم خود ہی مقرر کر لیتے تھے، پھر وہ اس مضمون کے متعلق معلومات کا سراغ
کتابون مین بتاتے تھے، طالب علم اپنی محنت سے ان کا کھوج لگاتے تھے، اور جب کافی معلومات
جمع ہو جاتے تو ان کو لکھ کر ان کے سامنے پیش کرتے، وہ اس مین کاٹ چھانٹ کرتے، مضمون کے بعد
پھر رسالون کی، اور اس کے بعد کتابون کی تصنیف کی باری آتی، تاکید ہوتی کہ معلومات اور مواد کو ہر گوشہ
اور گوشے اس محنت سے ڈھونڈ و کہ پھر کوئی کونہ خالی نہ رہ جائے، اس عنوان پر اگر پہلے کسی نے لکھا ہو تو
اس سے تمھارا مضمون بالکل الگ رہے، یا اس سے بڑھ جائے، مستند حوالہ کے بغیر کوئی واقعہ نقل نہ
کیا جائے، حوالہ مین سب سے قدیم اور سب سے مستند ماخذ کا خیال رکھا جائے، معنی کے ساتھ عبارت کی چستی،
طرز ادا کی شگفتگی، اور تشبیہ و استعارہ کی ندرت ہاتھ سے نہ جائے، پامال معلومات، مبتذل محاورات اور
عامیانہ الفاظ سے پوری طرح پرہیز کیا جائے، یہ ان کا طریقہ تھا، اور اسی طریقہ کی پابندی ہمارے دار المصنفین
مین جس مین علمار اور گریجویٹ اصحاب کو تصنیف و تالیف کی تعلیم دیجاتی ہے، اب تک کیجاتی ہے،

الجزیہ

از

جناب مولانا سعید انصاری صاحب، سابق رفیق دار المصنفین

"جزیہ کے متعلق غیر مسلمون مین مدتون سے جو غلط فہمی چلی آرہی تھی، اس کو سب سے پہلے مولانا شبلی مرحوم
نے الجزیہ لکھ کر دور کیا، لیکن اسکے بعض پہلو پھر بھی تشنۂ تحقیق تھے، اس مضمون مین تمام ضروری
پہلوؤن پر مفصل بحث کرکے جزیہ کی حقیقت واضح کی گئی ہے"

جزیہ کا لفظ جزیہ کس زبان کا لفظ ہے؟ اس کے متعلق دو خیال ہین،

(۱) پہلا خیال یہ ہو کہ وہ عربی ہے، اس کا مادہ ج ز ی ہے، یہی خیال زیادہ عام ہے، طبری
(۳۱۰ھ) جصاص (۳۷۰ھ) ابوبکر سجستانی (قبل ۳۸۶ھ) جوہری (۳۹۳ھ) راغب اصفہانی (اوائل
۵۰۰ھ) محی السنۃ بغوی (۵۱۶ھ) زمخشری (۵۳۸ھ) معافری (۵۴۳ھ) مرغینانی (۵۹۳ھ) امام رازی
(۶۰۶ھ) جمال قرشی (۶۸۱ھ) بیضاوی (۶۸۵ھ) نسفی (۷۰۱ھ) ابن مکرم (۷۱۱ھ) ابوحیان غرناطی
(۷۴۵ھ) فیروزآبادی (۸۲۰ھ) مہائمی (۸۳۵ھ) بدر الدین عینی (۸۵۵ھ) جلال الدین محلی (۸۶۴ھ)
جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) ابوسعود (۹۵۱ھ) شربینی (۹۷۰ھ) محمد طاہر (۹۸۶ھ) زبیدی (۱۲۰۵ھ)
محمد اشرف (۱۲۴۴ھ) آلوسی (۱۲۷۰ھ) سید صدیق حسن خان (۱۳۰۷ھ) جو مشہور کتب تفسیر، فقہ اور
لغت کے مصنف ہین، یہی لکھتے ہین،

(۲) دوسرا خیال یہ ہے کہ وہ فارسی ہے، اصل مین گزیت تھا، جس کے معنی خراج کے ہین، یہ خیال

ابو عبداللہ محمد بن احمد بن یوسف خوارزمی (۳۸۷ھ) نے مفاتیح العلوم (ص ۵۹) مین ظاہر کیا ہو' اس کی کتاب ۱۸۹۵ء مین G. Van Vloten نے شائع کی ہے، اور ایک کتاب منتخب اللغات کے قلمی نسخہ مین بھی جو ناقص الاطراف ہے، یہی لکھا ہے' اس کتاب سے مراد اگر منتخب اللغات شاہجہانی ہو تو اس کے مصنف عبدالرشید حسینی مدنی ٹھٹھہ (سندھ) کا رہنے والا تھا جس نے اس کتاب کو حسب روایت دیوان خانوادہ اور اسے ۱۰۴۶ھ مین تمام کیا،

گزیت کے دو تلفظ ہین، فردوسی کے ان اشعار

گزیت نہادند بر یک درم	گرایدون کہ دہقان بود دو درم
گزیت از بار ور شش درم	بحر ماستان بر ہمین زد رقم

اور نظامی کے اس شعر

گہش خاقان خراج چین فرستد	گہش قیصر گزیت دین فرستد

مین گزیت امیر کے وزن پر ہے، لیکن مفاتیح العلوم کے ناشر نے اس کو رہبر کے وزن پر پڑھا ہے،

جزیہ کا تلفظ | جزیہ کو جو لوگ معرب نہین مانتے، بلکہ عربی سمجھتے ہین، وہ اس کا تلفظ دو طرح پر کرتے ہین،

الف :- جزیہ جیم کے نیچے زیر یہ عام تلفظ ہے، جیسے شکوہ بمعنی شکایت،

ب :- جَزیہ جیم کے اوپر زبر جیسے قعدہ اور جلسہ، یہ امام ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) نے اپنی مشہور تفسیر جامع البیان (ص ۶۵ ج ۱۰) مین اور امام ابوحیان غرناطی (۷۴۵ھ) نے بحر المحیط (ص ۳۰ ج ۵) مین لکھا ہے؛ دوسری کتاب مین قعدہ کی جگہ پر عقدہ چھپ گیا ہو جو غلط ہے،

تنقید | میرے نزدیک عربی جزیہ، معرب جزیہ سے زیادہ قدیم ہے، اور اس کے حسب ذیل دلائل ہین،

(۱) یہ لفظ قرآن مجید مین موجود ہے، اور چونکہ آیت جزیہ ۹ھ مین نازل ہوئی ہے[51] اس لئے عربی ادبیات مین اس کو رواج پائے ہوئے تیرہ سو ساٹھ برس کا زمانہ گذرا ہے،

(۲) عرب کے ایک جاہلی شاعر ابو کبیر ہذلی (عامر بن حلیس) جنھون نے اسلام کا زمانہ بھی پایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے مشرف ہوئے ہین[52] لسان العرب ابن مکرم (۷۱۱ھ) مین جو عربی زبان مین لغت کی سب سے بڑی کتاب ہے ان کا ایک شعر نقل کیا ہو (ص ۵۵ جلد ۱)

وإذا الكماة تعاوروا طعن الكلى

تَذَرُ البكارة في الجزاء المضعف

اس مین جزاء کا لفظ جزیہ اور جزی کی جمع ہے، اور یہ دونون لفظ جزیہ کی جمع ہین،

(۳) حدیث کی کتابون مین یہ لفظ عام طور پر ملتا ہے،

(۴) امام ابو یوسف (۱۸۲ھ) نے کتاب الخراج (خاص خراج اور جزیہ پر لکھی ہے لیکن جزیہ کو معرب نہین کہا ہے،

(۵) امام یحیی بن آدم (۲۰۳ھ) نے بھی کتاب الخراج تصنیف کی ہے، اور اس مین بعض ایسے الفاظ بھی آئے ہین جو معرب ہو کر مستعمل ہو چکے ہین، مثلاً زمین کے خراج کے لئے طسق (ص ۵۰) بیعنامہ کے لئے دفتر (ص ۵۹) یا دستجہ جو غالباً دستہ کا معرب ہے (ص ۱۴۴) لیکن جزیہ کو معرب نہین لکھا ہے،

(۶) ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری (۲۸۲ھ) نے الاخبار الطوال مین بعض معرب الفاظ لکھے ہین جیسے شہریج جو سہ مرہ کا معرب ہو لیکن جزیہ کے متعلق وہ بھی خاموش ہین،

---

[51] تفسیر ابن جریر ص ۶۵، ۶۸، ج ۱۰، [52] کتاب الشعر والشعراء ابن قتیبہ (ص ۴۹۶) مطبوعہ لیڈن ۱۹۰۲ء، [53] اصابہ وغیرہ،

(۷) تمام مفسّرین اور فقہا نے جزیہ کو عربی الاصل سمجھا ہے،

(۸) کوئی اہلِ لغت اس کو معرب نہیں کہتا،

(۹) گزیت کا سب سے قدیم عربی ماخذ خوارزمی ہے، جس نے ۳۸۰ھ میں وفات پائی،

(۱۰) فارسی ماخذ میں گزیت کا لفظ سب سے پہلے فردوسی کے ہاں ملتا ہے جس نے ۴۱۱ھ میں انتقال کیا تھا، اس لحاظ سے اس لفظ کو فارسی اسلامی ادبیات میں آئے ہوئے نوسو اٹھاون برس ہوئے، اور یہ مدت عربی جزیہ سے بقدر ۱۴۰ برس کم ہے،

(۱۱) فارسی میں علم لغت کی پہلی کتاب ابوالحسن علی بن احمد اسدی طوسی نے لکھی جس کا زمانہ زیادہ سے زیادہ چھٹی صدی ہجری سے قبل فرض کیا جا سکتا ہے، اس کتاب کا نام لغتِ فرس ہے، اور بقول مصنف بلخ، ماوراء النہر اور خراسان (گویا ایران و ترکستان) کی فارسی کے الفاظ جمع کئے ہیں، جو عربی کی آمیزش سے بالکل پاک ہیں، اور ان کی سند میں اشعار بھی پیش کئے ہیں، لیکن بایں ہمہ اس کتاب میں گزیت کا لفظ نہیں ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گزیت فارسی نہیں، بلکہ جزیہ کا مفرس ہے،

(۱۲) گزیت کے جو معنی خوارزمی (۳۸۰ھ) نے لکھے ہیں، بالکل وہی معنی جزیہ کے اُن عربی مصنفین نے لکھے ہیں، جو اُن سے متقدم تھے، مثلاً طبری (۳۱۰ھ) اور سجستانی (قبل ۳۳۰ھ) اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ معرب نہیں، بلکہ گزیت مفرس ہے

(۱۳) چونکہ صحیح لفظ گزیت بروزن امیر ہے، جیسا کہ فردوسی اور نظامی کے اشعار سے ثابت ہے اس لئے جزیہ اُس سے معرب نہیں ہو سکتا،

(۱۴) ان تمام باتوں کے باوجود یہ امکان ضرور ہے کہ اسلام سے پیشتر یہ لفظ ایران سے یمن آیا ہو، اور معرب ہو کر عرب میں رائج ہو گیا ہو، لیکن یہ امکان ہی امکان ہے، شواہد سے اس کی تائید مشکل ہے،

(۱۵) یہ بھی پیشِ نظر رہنا چاہئے کہ اسلام سے پیشتر نہ صرف ایران، بلکہ چین اور ہندوستان میں بھی جزیہ کا رواج تھا، اور اہلِ عرب تجارتی سلسلہ سے ان مقامات میں آتے جاتے تھے، اس لئے جس طرح یہ ممکن ہے کہ جزیہ کا لفظ ایران سے لیا گیا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ چین یا ہندوستان میں جزیہ کا طریقہ دیکھ کر اہلِ عرب نے اس کا عربی نام جزیہ رکھ لیا ہو،

جزیہ کے معنی مفسرین، فقہا، اور ائمہ لغت نے جزیہ کے معنی خراج کے لکھے ہیں،

(ا) امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری (۳۱۰ھ) جامع البیان (۱۰ ج، مصر) میں لکھتے ہیں،

حتّٰی یعطوا الخراج عن رقابھم، — یہاں تک کہ وہ اپنی گردنوں کی طرف سے خراج دیں،

(ب) امام ابوبکر محمد بن عزیز سجستانی جنھوں نے ۳۳۰ھ سے قبل وفات پائی، اپنی تصنیف غریب القرآن (عرف نزہۃ القلوب) ص ۸۳ (مصر ۱۳۲۵ھ) میں فرماتے ہیں،

الجزیۃ، الخراج المجعول علی راس الذمی، — جزیہ وہ خراج ہے جو ذمی کی ذات پر لگایا جاتا ہے،

(ج) شمس الائمہ ابوبکر محمد بن ابوسہل سرخسی (۴۸۳ھ) مبسوط (ص ۷، ج ۱۰ مصر) میں لکھتے ہیں:-

وضع خراج علی رؤوس الرجال — آدمیوں پر فی راس خراج لگانا (جزیہ) ہے،

(د) محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود بغوی (۵۱۶ھ) کی معالم التنزیل (ص ۴، جلد ۲ بمبئی ۱۲۶۹ھ) میں ہے:-

وھی الخراج المضروبۃ علی — اور وہ جزیہ ان (ذمیوں) کی گردنوں پر

مقررہ خراج ہے،

ہ - علامہ ابوالقاسم جاراللہ محمود زمخشری (۵۳۸ھ) کی اساس البلاغۃ (ص ۲۵ جلد ا، مصر) میں مرقوم ہے،

واشتری من دھقان ارضا علی ان یکفیہ جزیتھا ای خراجھا۔

اور اس نے کسی زمیندار سے زمین اس شرط پر خریدی کہ اس کا جزیہ یعنی خراج ادا کرے گا،

و - علامہ جمال الدین محمد بن مکرم (۷۱۱ھ) نے لسان العرب (ص ۱۵۹ ج ۱۸ مصر) میں لکھا ہے،

والجزیۃ خراج الارض والجمع جزی وجزی،

جزیہ زمین کے خراج کو کہتے ہیں، جزی اور جزی اسکی جمع ہے،

ز - علامہ اثیر الدین ابوحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی (۷۴۵ھ) اپنی تالیف تحفۃ الاریب بما فی القرآن من الغریب (ص ۲۰، حماۃ ۱۳۲۵ھ) میں جس کا نام سیوطی نے نحاۃ (ص ۲۲) میں اتحاف الاریب لکھا ہے فرماتے ہیں،

الجزیۃ خراج المجعول علی راس الذمی،

جزیہ وہ خراج ہے جو ذمی کے سر پر لگایا گیا ہو،

ح - علامہ مجد الدین ابوطاہر محمد بن یعقوب فیروزآبادی (۸۱۷ھ) نے القاموس المحیط (ص ۱۳، ج ۴) میں تحریر فرماتے ہیں،

والجزیۃ بالکسر خراج الارض وما یوخذ من الذمی

جزیہ (جیم کو زیر) زمین کا خراج ہے اور جو ذمی سے لیا جائے (وہ بھی جزیہ) ہے،

ط - علامہ ابن احمد مہائمی (۸۳۵ھ) کی تفسیر تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان (ص ۲۵۰ ج ۱) میں ہے،

وھی الخراج المضروب علی الرقاب،

اور وہ (جزیہ) خراج ہے جو گردنوں پر لگایا جاتا ہے،

ی - علامہ جلال الدین محمد بن احمد محلی (۸۶۴ھ) اور علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی (۹۱۱ھ) کی تفسیر جلالین (ص ۱۷۰) میں ہے،

الخراج المضروب علیھم کل عام

(جزیہ) ان (ذمیوں) پر مقرر کیا ہوا سالانہ خراج ہے،

ک - علامہ محمد بن احمد شربینی خطیب، جنھوں نے سراج المنیر کے نام سے ایک تفسیر ۹۷۷ھ میں تالیف کی، اس کے ص ۶۰۳ ج ۱ میں لکھتے ہیں،

وھی الخراج المضروب علی رقابھم،

اور وہ (جزیہ) خراج ہے جو ان (ذمیوں) کی گردنوں پر مقرر کیا جائے،

ل - مولانا محمد طاہر جنھوں نے ۹۸۶ھ میں مجمع البحار الانوار کے نام سے ایک لغت تصنیف کیا، اس کی جلد ا ص ۱۸۹ میں لکھتے ہیں

من اخذ ارضا بجزیتھا ای بخراجھا،

جو شخص کوئی زمین جزیہ یعنی خراج ادا کرنے کی شرط پر لے،

م - علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حسینی واسطی (۱۲۰۵ھ) نے تاج العروس (ص ۹۳، ج ۱۰ مصر) میں قاموس کی مندرجہ بالا عبارت نقل کرکے اس کے ایک لفظ (وما یوخذ) کی یون تشریح کی ہے،

(و) منہ (ما یوخذ)

اور جزیہ ہی ہے جو ذمی سے (عوض) لیا جاتا ہے

ن - مولانا محمد اشرف لکھنوی نے ایک جماعت کے ساتھ مل کر، ضخیم جلدون مین تاج اللغات تصنیف کی تھی، اس کتاب کے مصنفین اور سنہ تصنیف کا کچھ پتہ نہین ہے، مولانا محمد اشرف کا نام مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے کتاب کی پہلی جلد کے سرورق پر تحریر فرمایا ہے اور یہ عبارت لکھی ہے،

"یکے از مولفینش مولانا محمد اشرف لکھنوی است در ۱۲۲۲ھ وفات یافت"

بہرحال اس کتاب کے (ص ۲۹۵) مین ہے :-

"جزیہ بالکسر حاصل زمین و چیزکہ گرفتہ شود از کفار اہلِ ذمہ"

س - امیر الملک والا جاہ نواب سید صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) نے تفسیر فتح البیان (ج ۴ جلد ۴، مصر ۱۳۰۱ھ) مین لکھا ہے،

وھو الخراج المضروب علیٰ	اور وہ (جزیہ) خراج ہے جو گردنون
رقابھم کل عامٍ	پر سالانہ مقرر کیا جاتا ہے،

غرض ۲۱۰ھ سے ۱۳۰۷ھ تک جتنے مشہور عالم گذرے ہین، بالاتفاق سب نے جزیہ کے معنیٰ خراج کے لئے ہین،

جزیہ کی اصطلاح | جزیہ کے لغوی معنی جو اوپر بیان کئے گئے، انہی سے اس کے اصطلاحی معنی متفرع ہوتے ہین، لغت مین جزیہ کے معنی خراج کے ہین، اب اگر وہ خراج رعایا کے ہر فرد سے بحساب فی کس سالانہ وصول کیا جائے، تو اس کو جزیہ کہا جائے گا، اور یہ عام معنی ہونگے لیکن اگر وہ خراج سلطنت اسلام مین صرف غیر مسلم رعایا سے وصول کیا جائے، تو یہ شرعی اور اصطلاحی جزیہ ہوگا، اس سے چند باتین معلوم ہوتی ہین،

۱- لغت مین جزیہ اور خراج محصول کو کہتے ہین، خواہ وہ کسی چیز کا ہو، اور کوئی شخص ادا کرے

۲- مسلم اور غیر مسلم رعایا پر انفرادی حیثیت سے جو محصول عائد ہو، لغت کے لحاظ سے اس کا نام جزیہ ہوگا، اس مین کوئی تفریق نہین ہے،

۳- صرف غیر مسلم رعایا جو فرداً فرداً محصول ادا کرے، اس کو شرع کی اصطلاح مین جزیہ کہتے ہین، اور مسلم رعایا جو محصول ادا کرتی ہے، اس کو زکوٰۃ، صدقہ، اور دوسرے نامون سے تعبیر کیا جاتا ہے،

جزیہ اقوام غیر مین | جزیہ کے لغوی معنی سمجھنے کے بعد یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کا رواج دوسری قومون اور ملکون مین بھی تھا؟ ہندوستان، ایران، اور چین، اس کا جواب اثبات مین دیتے ہین،

ہندوستان مین جزیہ | منوشاستر سے جو ہندوستان کا مدنی اور سیاسی قانون ہے اور جدید تحقیقات کے مطابق حضرت مسیحؑ کے دو تین سو سال پیشتر تالیف ہوا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ (تاب Pal-Tara) کا رواج ہندوستان مین کم از کم بائیس سو برس سے ہے، منوجی نے کتاب مذکور کے باب ۷ مین جزیہ کے متعلق حسب ذیل دفعات درج کئے ہین :-

دفعہ ۱۲۸- جس طریق سے کام کرنے والے کو اور راجہ کو فائدہ ہو، اس طریق کو دیکھ کر راجہ اپنے محصولات کو تجویز کرے، جو کہ ہر شخص پر برابر ہو،

دفعہ ۱۳۳- ...... وید پڑھنے والے برہمن سے محصول نہ لیوے،

دفعہ ۱۳۷- راج مین چھوٹے آدمیون سے بھی تھوڑا ساگ، پتا، وغیرہ سال تمام مین بطور محصول کے لیوے،

دفعہ ۱۳۸- رسوئین بنانے والے و ہر قسم کے کاریگر و شودر جسم کی تکلیف سے اوقات بسر کرنے والے

---

۱ تمدن ہند موسیو گستاولی بان مترجمہ مولانا سید علی بلگرامی ص ۲۱۰۔

(پنڈ وار وغیرہ) ان سبھون سے ہر مہینہ مین ایک دن کام کرائے، ان کا یہی محصول ہو،

دفعہ ۱۳۹ - اگر بہ تقاضائے محبت، محصول رعیت سے نہ لیوے تو راجہ اپنی جڑ اُدکھاڑتا ہو،

دفعہ ۱۵۴ - آٹھ کامون کو............ بچارے، آٹھ کام یہ ہین، رعیت سو محصول

لینا،.........(باب ۸)

دفعہ ۳۹ - بہ چیز مدفونہ یافتہ کے نصف حصہ کو لینے والا راجہ ہے، کیونکہ حفاظت کرتا ہو اور سب کا مالک ہے،

دفعہ ۳۹۴ - اندھا، بہرا، لنگڑا، ستر برس کی عمر والا، دھن دہانیہ سے ویدیا پا ٹھیون کا اُپکار کرنے والا، ان سبھون سے راجہ باوجود خالی ہونے خزانہ کے اپنے لینے کے لائق محصول کو نہ لیوے،

دفعہ ۴۰۵ - گاڑی وغیرہ محمولہ اشیاء وغیرہ سے بلحاظ چیز ہائے محمولہ کے سارا سار بچار کرکے محصول مقرر کرنا چاہئے، اور جس گاڑی وغیرہ مین اشیاء وغیرہ نہین ہے اور جو آدمی کچھ سامان وغیرہ نہین رکھتا اُنھون سے تھوڑا محصول لینا چاہئے،

ان دفعات سے اصولی طور پر پتہ چلتا ہے، کہ

(۱) پیشہ ور اور غیر پیشہ ور سب پر جزیہ تھا (۲) عورتین مستثنیٰ نہ تھین اور نہ بچے مستثنیٰ تھے (۳) غیر مستطیع لوگون کو بھی کچھ نہ کچھ دینا پڑتا تھا (۴) معذور، زیادہ معمر اور برہمن مستثنیٰ تھے (۵) مزدور، چمار، نوکر، جو محصول ادا کرنے کے قابل نہ تھے، اُن سے محصول کے عوض ہر مہینہ مین ایک دن بیگار لی جاتی تھی (۶) خراج نہ لینا، سلطنت کی بیخ کنی کے مرادف تھا (۷) محصول ہر شخص پر برابر تھا،

ایران مین جزیہ | ایران مین جزیہ رقاسب کب سے رائج تھا؟ اس کا صحیح جواب ہم نہین

دیکھتے، البتہ اتنا معلوم ہے کہ نوشیروان سے پہلے بھی اُس کے وصول کرنے کا دستور تھا، طبری (ص ۹۶۰ ج ۲) مین ہے،

وکان ملوک فارس یاخذ ون	اور ایران کے بادشاہ نوشیروان سے پہلے
من کور من کورھم قبل ملوک	خراج مین بعض صوبون سے تہائی بعض
کسریٰ انوشروان فی خراجہا	سے چوتھائی بعض سے پانچوان بعض سے
الثلث ومن کور الربع، ومن کور	چھٹا حصہ شادابی اور پیداوار کے مطابق
الخمس ومن کور السدس علیٰ	لیا کرتے تھے، اور کھوپڑیون کے جزیہ
قدر شربہا وعمارتہا، ومن جزیۃ الجماجم	مین بھی کچھ مقرر رقم وصول کیجاتی تھی

قباد بن فیروز نے اخیر زمانہ سلطنت مین خراج کی صحیح تشخیص کرانی چاہی، لیکن اس کا انتقال ہو گیا، اور اس کام کو اس کے بیٹے نوشیروان نے انجام دیا، طبری (حوالۂ سابق) مین ہے،

حتی اذا ملك ابنه کسریٰ امر باستتمامها	جب اس کا بیٹا کسریٰ بادشاہ ہوا تو
واحصاء النخل والزیتون والجماجم	اُس نے اس کام کو مکمل کرایا، کھجور،
..... وامر کاتب خراجہان یقرء	زیتون اور کھوپڑیان شمار کی گئین،...
علیھم الجمل التی استخرجت من	.....اور محکمۂ خراج کے سکریٹری کو حکم
اصناف غلات الارض، و	ہوا کہ لوگون کو وہ الفاظ پڑھ کر سنائے
عدد النخل والزیتون والجماجم	جو زمین کے متعدد اقسام کے غلون اور
	کھجور، زیتون، اور کھوپڑیون کی تعداد کے
	متعلق درج تھے،

کسریٰ نوشیروان نے اس تشخیص کی وجہ یہ بتلائی ہے،

انا قد رأينا ان نضع على ما احصى
من جربان هذه المساحة
من النخل والزيتون والجماجم
وضائع، ونامر بانجامها في
السنة في ثلثة انجم، وتجمع في
بيوت اموالنا من الاموال ما لو
أتانا من ثغر من ثغورنا او طرف
من اطرافنا فتق او شئ نكرهه
واحتجنا الى تداركه او حسمه
بذلنا فيه مالاً كانت الاموال
عندنا معدة موجودة، و
لم نرد استئناف اجتبائها على
تلك الحال (طبری ۹۶۰-۹۶۱ جلد ۲)

بادولت کی رائے ہے کہ بادولت کھجور
اور زیتون کی پیمائش شدہ جریبوں اور
کھوپڑیوں پر ٹیکس لگائیں، اور سال
میں اُن کو تین قسطوں میں ادا کرنے کا
حکم دیں، تاکہ بادولت کے خزانوں میں
اس قدر دولت جمع رہے، کہ اگر کبھی کسی
سرحد یا کسی سمت سے کوئی بغاوت یا
بدامنی رونما ہو، اور بادولت کو اس
کے تدارک یا قلع قمع کرنے میں روپیہ خرچ
کرنے کی ضرورت پڑے تو وقت پر
ہمارے پاس روپیہ موجود رہے اور
نئے سرے سے اس وقت بادولت کو
روپیہ جمع کرنے کی ضرورت نہ پیش آئے

اور اس جزیہ کی شرح یہ تھی،

والزموا الناس الجزية ما خلا
اهل البيوتات والعظماء و
المقاتلة والهرابذة والكتاب
ومن كان في خدمة الملك،
وصيّروها على طبقات اثنى

اور لوگوں پر انھوں نے جزیہ لگایا سوائے
اونچے گھرانوں، معززین، فوج، پیشوایان
مذہبی، محرر اور ملازمین شاہی کے، اور
اور اس (جزیہ) کی چند شرحیں رکھیں،
یعنی بارہ درہم، اور آٹھ اور چھ اور چار،

عشر درهما وثمانية وستة و
اربعة كقدر اكثار الرجل و
اقلاله، ولم يلزموا الجزية
من كان اتى له من السن
دون العشرين او فوق الخمسين
(طبری ص ۹۶۲ ج ۲)

آدمی کی ثروت اور فقر کے لحاظ سے، اور
جس شخص کا سن بیس سے کم یا پچاس سے
اوپر تھا، اس پر جزیہ نہیں لگایا،

ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ

۱- ایران میں انسانوں پر محصول عائد تھا،

۲- ان محاصل کا مقصد بغاوتوں کے رفع کرنے اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیاری تھی،

۳- بیس برس سے کم اور پچاس سال سے زیادہ کے آدمی محصول سے مستثنیٰ تھے،

۴- عورتیں مستثنیٰ نہ تھیں،

۵- جزیہ حسب حیثیت تھا،

۶- اونچے گھرانے، معززین، فوج، مذہبی پیشوا، منشی، اور سلطنت کے ملازم جزیہ ادا نہیں کرتے تھے،

چین میں جزیہ

چین میں جزیہ زمانۂ دراز سے تھا، مسلمانوں میں پہلا مصنف جس نے اس کا تذکرہ کیا، سلیمان تاجر ہے، جس نے اپنا سفرنامہ ۲۳۷ھ کے حدود میں لکھا ہے، وہ لکھتا ہے،

ولكن عليهم جزية على الجماجم
الذكور بحسب ما يرون من الاحوال
وان كان بها احد من العرب
او غيرهم اخذ منه جزية ماله

اور لیکن ان پر حالات کے مطابق جزیہ ہر
جو نرسروں (مردوں) سے لیا جاتا ہے
اور اگر وہاں عرب یا دوسرے ملک کا
کوئی شخص ہوتا ہے، تو اس سے اس کے

لیحرز ماله،	مال کا جزیہ لیا جاتا ہے تاکہ اوس کے مال
(سفرنامہ ص ٢٠)	کی حفاظت کیجائے۔

دوسری جگہ لکھتا ہے،

ولیس علیهم خراج فی ضیاعهم	اوران پر جائداد کا خراج نہین ہے، بلکہ
وانما یوخذ من الرؤوس علی	سرون (مردون) سے مال اور جائداد کا
قدر اموالهم وضیاعهم (ص ٤٢)	تخمینہ کرنے کے بعد (جزیہ) لے لیا جاتا ہے

آگے چل کر کہتا ہے،

فاذا بلغ ثمانی عشرة سنة اخذت	جب وہ (مرد) اٹھارہ برس کا ہوتا ہے
منه الجزیة فاذا بلغ ثمانین سنة	تو اس سے جزیہ لیا جاتا ہے، اور جب اسی
لم توخذ منه جزیة (ص ٤٢)	برس کو پہونچتا ہے، تو جزیہ نہین لیا جاتا

اس سے چند باتین معلوم ہوتی ہین،

(١) چین مین دو قومین آباد تھین، چینی اور مسلمان (٢) چینیون سے حسب حیثیت جزیہ لیا جاتا تھا (٣) جزیہ مین مردون کی تخصیص تھی (٤) عورتین مستثنیٰ تھین (٥) اٹھارہ اور اسی سال کے درمیان عمر والون سے جزیہ لیتے تھے، اٹھارہ سے کم اور اسی سے زیادہ عمر کے لوگ مستثنیٰ تھے (٦) عرب اور دوسری قومین جو تجارت کے سلسلہ سے وہان قیام پذیر تھین، ان سے جزیہ رقاب نہین لیا جاتا تھا، یہ لوگ صرف مال کا محصول ادا کرتے تھے (٧) غیر قومون سے جزیہ کی وصولی حفاظت مال کی غرض سے تھی،

اسلام مین جزیہ | ہندوستان ایران اور چین کی طرح سلطنت اسلامیہ مین بھی رعایا پر جزیہ تشخیص کیا گیا، جس کو لیں پول اور سرکار کی طرح ہم بلا تامل جزیہ رقاب نہین کہہ سکتے، اسلامی سلطنت مین بھی کسی طرح دو قسم کی رعایا تھی، مسلم اور غیر مسلم، اور چونکہ دونون مین سلطنت کی امداد اور ملک کی حفاظت

کے متعلق قدرتی طور پر نقطۂ نظر کا اختلاف پایا جاتا تھا، اس لئے ضرور تھا کہ دونون کے لئے جزیہ کی شرح مختلف ہو اور اس کا علحدہ علحدہ نام رکھدیا جائے، تاکہ سننے والون کو سمجھنے مین آسانی ہو، اسی بنا پر مسلمانون کے محصول کا نام زکوٰۃ اور غیر مسلمون کے خراج کا نام جزیہ رکھا گیا، معنی کے لحاظ سے زکوٰۃ یا جزیہ مین شہرت یا ذلت کا کوئی پہلو نہین ہے،

زکوٰۃ اور جزیہ کا فرق | چونکہ مسلم اور غیر مسلم رعایا کی ذمہ داریان کسی حد تک مختلف تھین، اس لئے ان کے محصولون (زکوٰۃ اور جزیہ) کے تشخیص مین بھی اس کا لحاظ رکھا گیا،

مسلمانون کی سلطنت قومی تھی اور ضرورت کے وقت ان کو مال تو مال خود جان سے بھی دست بردار ہونا پڑتا تھا، اس لئے ان کے محصول مین "ایثار" کے جذبہ کو بہت زیادہ سامنے رکھا گیا، چنانچہ ان پر (١) زکوٰۃ مقرر کی گئی، جو مختلف انواع کی جامع تھی، مثلاً

(١) اونٹون پر زکوٰۃ (ب) کھجور پر زکوٰۃ (ج) مسکوک سونے چاندی پر زکوٰۃ (د) معادن پر زکاۃ، (ﮬ) دفینہ پر زکوٰۃ (و) زیور، بے سکہ سونا اور عنبر پر زکوٰۃ (ز) یتیمون کے مال پر زکوٰۃ (ح) میراث پر زکوٰۃ (ط) قرض کی پر زکوٰۃ (ی) مال تجارت پر زکوٰۃ، (ک) بکریون پر زکوٰۃ (ل) گائے پر زکوٰۃ (م) تجارتی گھوڑون پر زکوٰۃ، (ن) پھلون پر زکوٰۃ، (س) عید الفطر کی زکوٰۃ،

ان انواع مین سے اگرچہ کبھی کوئی مسلمان محصول (زکوٰۃ) ادا کرے تو اچھی خاصی رقم ہو جاتی ہے، بخلاف اس کے غیر مسلم رعایا کی ہمدردی زیادہ سے زیادہ "عزت وطن" کے نام سے حاصل کیجا سکتی تھی، جو اگرچہ اس وقت بھی اجنبیون (عرب) کے قبضہ مین تھا، تاہم دوسرے اجنبیون (مخالفین عرب) کے ہاتھ مین جانے سے اس کے امن و امان اور نظم و نسق مین خلل پڑنے کا اندیشہ ہو سکتا تھا، اس بنا پر غیر مسلم رعایا سے واجبی محصول یا جبری مواجب (Compulsory dues) کا ایثار

چاہا گیا، جو زکوٰۃ سے مقدار میں کم اور اس کی طرح گوناگون نہ تھا، اور یہ ایک صریح رعایت تھی،

(۳) مسلمانوں کا محصول (زکوٰۃ) ایک مذہبی فرض تھا، جس کو وہ کارِ خیر سمجھ کر ثواب کے لئے ادا کرتے تھے، اس لئے اس کی مقدار زیادہ ہونے میں کچھ ہرج نہ تھا، بخلاف اس کے غیر مسلموں کا محصول (جزیہ) محض سیاسی تھا، جس پر ان کے عقیدہ کے مطابق کوئی اُخروی ثواب مرتب نہیں ہوتا تھا، اس لئے اس کی شرح زیادہ نہیں رکھی گئی،

۴۔ مسلمانوں کا محصول معاف نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ وہ مذہبی فرض تھا، لیکن غیر مسلموں کا محصول (جزیہ) نقدی شکل میں معاف ہو سکتا تھا، موانیذ کا مسئلہ جزیہ کے باب کا ضروری مسئلہ ہے، مبسوط (ص ۸۲ ج ۱۰) میں اس کے متعلق جو کچھ ہے ذرا تفصیل کے ساتھ ہے، اور امام اعظمؒ اور صاحبینؒ کے اختلافات دکھائے ہیں لیکن فتاوے سراجیہ میں جو ۵۶۹ھ کی تصنیف ہے[48] یعنی مبسوط کے بعد کی ہے، اس مسئلہ کو بلا اختلاف ذکر کیا ہے اور "موانیذ" کے معنی بھی تبلائے ہیں، یعنی فی الفادیۃ ماندہا[49]، اس مسئلہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ذمی (غیر مسلم) پر برسوں سے جزیہ باقی چلا آتا ہو، تو اس کا مطالبہ نہ کیا جائے گا، بلکہ جس سال حاکم مطالبہ کرے گا، اسی سال کا جزیہ ادا کرنا ہوگا، اور اس کی وجہ[50] یہ ہو کہ فقہا، جزیہ کو قرض نہیں سمجھتے، بلکہ عطیہ اور صلہ سمجھتے ہیں، مبسوط میں ہے،

کان الجزیۃ صلۃ مالیۃ ولیست	اس لئے کہ جزیہ ایک مالی صلہ ہے واجب
بدین واجب (ص ۸۰ ج ۱۰)	قرض نہیں،

(۴) مسلمانوں کی زکوٰۃ میں تخفیف نہیں ہو سکتی، لیکن جزیہ میں کمی کی جا سکتی ہے، چنانچہ نجران کے وہ عیسائی جو عراق چلے گئے تھے، انھوں نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں تخفیف جزیہ کی درخواست کی تو امیر المؤمنین نے ولید بن عقبہ حاکم عراق کے نام ایک فرمان بھیجا، جس میں یہ فقرے

---

[48] کشف الظنون ج ۲ ص ۲۷، [49] فتاوی سراجیہ قلمی باب الجزیہ،

بھی تھے[50]

وانی قد خففت عنھم ثلاثین	میں نے اُن کے جزیہ سے تیس حلے
حلۃ من جزیتھم،	کم کر دیئے،

یحییٰ بن آدم (۲۰۳ھ) نے اپنی تصنیف کتاب الخراج میں جو ابھی حال میں چھپی ہے، لکھا ہے کہ حسن (شاید حسن بن صالح) کا قول تھا کہ جن لوگوں پر حضرت عمرؓ نے ۴۸، ۲۴، ۱۲ کے شرح سے جزیہ مقرر کیا تھا، اُن پر اُس سے زیادہ نہ مقرر ہونا چاہئے، اور ان میں سے جو ادا نہ کر سکتا ہو اُس کے جزیہ میں تخفیف کر دی جائے، کیونکہ حضرت عمرؓ یہ بھی فرماتے تھے کہ اُن کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دیجائے[52]،

۵۔ مسلمانوں میں جو صاحب نصاب ہو وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا، لیکن غیر مسلم خدمات کے صلہ میں نقد رقم جزیہ سے مستثنیٰ ہو سکتے ہیں، چنانچہ عراق، آذربائیجان، آرمینیہ، جرجان کے فتوحات کے سلسلہ میں طبری نے حضرت عمرؓ کے فرامین اس مضمون کے متعلق نقل کئے ہیں (واقعات ۱۸ھ و ۲۲ھ ہجری)

۶۔ اگر کوئی اسلامی ملک دشمن کے نرغہ میں ہو تو مسلم رعایا کا محصول (زکوٰۃ) واپس نہیں کیا جاتا، لیکن غیر مسلم رعایا کا جزیہ واپس کر دیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے شام کے تمام عمال سے نہ صرف جزیہ بلکہ خراج تک واپس کرا دیا تھا[53]،

۷۔ زکوٰۃ مسلمان عورتوں اور بوڑھوں بلکہ یتیم بچوں سے بھی وصول کیجاتی تھی، لیکن جزیہ غیر مسلم بچوں، عورتوں اور بوڑھوں سے نہیں لیا جاتا تھا،

---

[51] کتاب الخراج امام ابویوسف ص ۲۴، [52] کتاب الخراج یحییٰ بن آدم قرشی ص ۲۳،
[53] کتاب الخراج امام ابویوسف ص ۸۱،

۸۔ زکوٰۃ مسلمانوں کے مختلف ذرائع آمدنی سے وصول کی جاتی تھی، لیکن جزیہ کی یہ حالت نہ تھی،

۹۔ روپیہ کی تعداد زیادہ ہونے سے زکوٰۃ کی رقم بڑھتی جاتی ہے، لیکن جزیہ بڑے سے بڑے مالدار شخص کو بھی ۴۸ درہم سالانہ سے زیادہ نہیں ادا کرنا پڑتا، رقم جزیہ کی زیادتی کے شاکی، اور غیر مسلم رعایا کی اقتصادی حالت کے مرثیہ خوان سر جدو ناتھ سرکار کو حساب لگا کر دیکھنا چاہئے تھا کہ ایک مسلمان اور ایک غیر مسلم پر محصول کا بار کس تناسب سے پڑتا تھا ؟

۱۰۔ زکوٰۃ کا نصاب متعین ہے، لیکن جزیہ کی کوئی شرح متعین نہیں، اسی لئے اس میں فقہاء مختلف الرائے ہیں، جزیہ کا تقرر دو طرح پر ہوتا ہے، صلح سے کوئی رقم طے ہو جائے، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوس سے اور نجران کے عیسائیوں سے جزیہ طے فرمایا تھا، ایسے جزیہ کی رقم پر اضافہ نہیں ہو سکتا،

غلبہ کے بعد بادشاہ جزیہ مقرر کرے، اس میں بادشاہ کو کمی بیشی کا اختیار ہوتا ہے، احکام القرآن مصنفہ امام ابو بکر احمد بن علی رازی، الجصاص (م ۳۷۰ھ)، اور رمز الحقائق شرح کنز مصنفہ قاضی بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی (م ۸۵۵ھ) وغیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے جزیہ کی رقم متعین کرنے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے، حنفیہ اور حسن بن صالح ۱۲، ۲۴، ۴۸ درہم سالانہ یا ایک دو اور چار درہم ماہوار مقرر کرتے ہیں، جو حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے ثابت ہے، امام مالکؒ کے نزدیک ہر بالغ پر چار دینار یا ۴۰ درہم ہیں، امام شافعیؒ ایک دینار فی کس تجویز فرماتے ہیں، اور امام احمدؒ تشخیص کا کام بادشاہ پر چھوڑتے ہیں،[1]

ان رعایتوں اور خصوصیتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی ذی عقل جزیہ کو غیر ضروری تمیز خیال نہیں کر سکتا،

جزیہ کی حیثیت | جیسا کہ اوپر کے عنوان سے معلوم ہوا ہوگا، جزیہ کی حیثیت محض سیاسی تھی، یعنی اس کو

[1] احکام القرآن ج ۳ ص ۹۷ و رمز الحقائق ج ۱ ص ۲۲۱،

مذہب کسی قسم کا کوئی تعلق نہ تھا، اب یہ دیکھنا ہے کہ اس کے تعین کا باعث کیا تھا ؟ کس مقصد کو سامنے رکھکر اس کی تشخیص ہوئی ؟ اور اس کو کس چیز کا معاوضہ یا بدل قرار دیا گیا ؟ اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں،

جزیہ جان کا محصول ہے | مبسوط وغیرہ میں بعض علماء کے جو اقوال نقل کئے گئے ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ جان کا معاوضہ ہے کیونکہ غیر مسلم جزیہ قبول کرکے قتل سے محفوظ رہتے ہیں، یہ وہی خیال ہے جس کی بنیاد پر لین پول نے ڈیول (انڈیا) میں اور جدو ناتھ سرکار نے تاریخ عالمگیر میں جزیہ کو (ص ۳۰۵ ج ۳۔) کہا ہے لیکن درحقیقت اس خیال کی کوئی اصل نہیں شمس الائمہ سرخسی نے اس کو نقل کرکے خود تردید فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں،

ثبوت الحقن لیس بالمال، بل بالعقد او علۃ الاباحۃ وھو القتال،	قتل سے محفوظ رہنا مال کی وجہ سے ثابت نہیں ہوا، بلکہ (خون) مُباح ہونے کی علت یعنی لڑائی کے نہ ہونے کی وجہ سے (ثابت) ہوا ہے،
(مبسوط ص ج ۱۰)	

دوسری جگہ فرماتے ہیں،

ولا ھو بدل عن حقن الدم، لان الآدمی فی الاصل محقون الدم، و الاباحۃ بعارض القتال فاذا زال ذالک بعقد الذمۃ عاد الحقن	اور نہ وہ (محصول) حفاظتِ خون کا بدلہ ہے، کیونکہ آدمی درحقیقت خون (جان) کے لحاظ سے محفوظ پیدا کیا گیا ہے، یعنی اس کو مارنے کا کسی کو حق نہیں) اور (خون کا) مباح ہونا لڑائی پیش آنے کے سبب سے ہوتا ہے، پس

الا صلی.	جب یہ عارض (لڑائی) ذمہ کے معاہدہ
(صفحہ ج ۱۰)	کے سبب سے دور ہو جائے، تو حق اصلی (جان
	کے محفوظ رہنے کا اصلی حق) واپس آجائیگا'

جزیہ جان و مال کا محصول ہے یہ خیال بہت قدیم ہو کہ جزیہ جان و مال کا محصول ہے، اس کا منشا یہ کہ جان اور مال سے سلطنت کی امداد کرنے کے بجائے اس کو ایک خاص محصول رعایا ادا کرتی ہے، اور حفاظت کا کام فوج کے متعلق ہو جاتا ہے منو شاستر (باب ۸ دفعہ ۳۳) سے ہندوستانیوں کا، اور نوشیروان کے فرمان (مندرجہ طبری ص ۹۶۰-۹۶۱ ج ۲) سے ایرانیوں کا جزیہ کے متعلق یہی خیال معلوم ہوتا ہے، مسلمانوں میں قرن اول کے بعض حضرات مثلاً حضرت ابو عبیدہؓ وغیرہ نے اور فقہا میں مرغینانی (م ۵۹۳ھ) نے ہدایہ میں اور ابن نجیم (م ۹۷۰ھ) نے البحر الرائق میں اس کو ظاہر کیا ہے کہ غیر مسلموں کا جزیہ فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہونے کا محصول ہو،

تعجب ہو کہ سر جدو ناتھ سرکار اس کو جدید خیال کہتے ہیں[1] اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ۱۸۵۵ء (۱۲۷۲ھ) تک جزیہ خود ترکی میں مذہبی آزادی کا محصول سمجھا جاتا تھا، اس کے بعد فوجی خدمت سے آزادی کا معاوضہ قرار پایا، لیکن ان کو معلوم نہیں کہ جس جدید مصنف (غالباً علامہ شبلی مرحوم) کی طرف وہ اس نظریہ کو منسوب کر رہے ہیں، اس سے بہت پیشتر پہلی صدی ہجری میں خود صحابہ کرام اور چھٹی صدی ہجری کے بعض مشہور فقہا کا یہی نظریہ معلوم ہوتا ہے، رہا مذہبی آزادی کا معاوضہ ہونا تو یہ اکثر فقہا کا جزیہ کے متعلق خیال نہیں ہے، اور نہ اس کو کوئی خاص وقعت علمی طور پر دی گئی ہے،

جزیہ کفر کا محصول ہو امام ابو بکر جصاص (م ۳۷۰ھ) نے احکام القرآن میں قاضی ابو بکر محمد بن عبداللہ

[1] تاریخ عالمگیر، حاشیہ ص ۳۰۶ ج ۳،

معافری اندلسی (م ۵۴۳ھ) نے جو "ابن العربی" کے نام سے مشہور ہیں، احکام القرآن میں، مرغینانی (م ۵۹۳ھ) نے ہدایہ میں، حافظ الدین ابو البرکات عبداللہ بن احمد نسفی (م ۷۱۰ھ) نے مدارک التنزیل میں یہی نقل کیا ہے کہ جزیہ کفر کا محصول تھا، یا بالفاظ دیگر مذہبی آزادی کا معاوضہ تھا لیکن اس کا ثبوت قرآن مجید یا حدیث سے نہیں مل سکتا،

جزیہ مکان کا محصول ہو شمس الائمہ سرخسی (م ۴۸۳ھ) نے مبسوط میں، اور محمد بن احمد شربینی خطیب (موجود ۹۷۶ھ) نے تفسیر سراج المنیر میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جزیہ سکونت کا معاوضہ ہو اس طرح اس کی حیثیت کرایہ مکان یا محصول مکان (House-Tax) کی ہے، مبسوط میں اس کو بعض کا قول کہکر اس طرح تشریح کی گئی ہے،

قد قیل انہ بدل من السکنیٰ	بعض نے کہا ہے کہ وہ (جزیہ) سکونت
لانہ مع الاصرار علی الکفر	کا بدلہ ہے، کیونکہ وہ (ذمی) کفر پر قائم رہ
لا یکون من اھل دار الاسلام	کر دار الاسلام کے (اصلی) باشندوں میں
اصلاً ولا یمکن من السکنیٰ	کبھی شامل نہیں ہو سکتا، اور دوسرے
فی دار الغیر الا بکراء،	کے گھر میں سکونت کرایہ کے بغیر ممکن
(صفحہ ج ۱۰)	نہیں،

پھر آگے چل کر اس خیال کی تردید کرتے ہیں،

لانہ بعقد الذمۃ صار من اھل	کیونکہ وہ ذمہ کا معاہدہ کرکے ہمارے گھر
دارنا، فانما یسکن دار نفسہ	والوں میں سے ہو گیا، تو وہ اپنے گھر میں
ولا یسکن ملک نفسہ حقیقۃ	رہتا ہے، البتہ اپنی ملکیت میں دراصل
وقولنا دار الاسلام نسبۃ	نہیں رہتا، (کیونکہ اب اصلی ملکیت اسلام

للولایۃ، | کی ہو گئی ہے) اور ہمارا قول دار الاسلام
(مبسوط ج ۱۰) | ولایت (تولیت) کی نسبت کے سبب ہے،

اس تردید کے الفاظ پر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ امام سرخسی غیر مسلم آبادی کو اس سے بلند سمجھتے ہیں کہ اس کو سلطنتِ اسلام کا کرایہ دار فرض کریں،

جزیہ امن کا محصول ہے

امام ابو حیان غرناطی اثیر الدین ابو عبد اللہ محمد بن یوسف جیانی (م ۷۴۵ھ) نے تفسیر البحر المحیط میں لکھا ہے کہ جزیہ امن کا معاوضہ ہے،

جزیہ کسی چیز کا محصول نہیں بلکہ مالی امداد ہے

ان نظریات کے نقل کرنے کے بعد اب ہم اس مقام پر پہنچے ہیں، جہاں دراصل غیر مسلم رعایا کی صحیح منزلت اور جزیہ کی اصل حقیقت نظر آتی ہے، شمس الائمہ سرخسی (م ۴۸۳ھ) جنہوں نے ۳۰ جلدوں میں المبسوط لکھی ہے، جو فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں سب سے بڑی کتاب ہے، جزیہ کے متعلق یہ خیال ظاہر فرماتے ہیں کہ وہ کسی چیز کا معاوضہ یا محصول نہیں ہے، بلکہ مالی امداد ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں،

لان الجزیۃ صلۃ مالیۃ (ص ج ۱۰) | کیونکہ جزیہ مالی امداد ہے،

دوسری جگہ لکھتے ہیں،

فاذا ثبت انہ لیس بعوض عن | جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ (جزیہ کا
شیئ عرفنا انہ صلۃ، | مال) کسی چیز کا عوض نہیں، تو ہم نے
(ص ۸۲) | سمجھا کہ وہ (مال) صلہ ہے،

ان الفاظ کو پڑھو اور بار بار پڑھو کیا یہ وہی جزیہ ہے جس کو یورپ اور ہندوستان کے غیر مسلم حد درجہ ذلت آمیز اور نفرت انگیز خیال کرتے ہیں، اور جس کے باعث ان کے دلوں میں اسلامی سلطنتوں کی طرف سے بغض و عناد بھرا ہوا ہے، محکوم قوموں کے محصول کا مالی امداد نام رکھنا فاتح و مفتوح کی

اس مساویانہ حیثیت کو نمایاں کرتا ہے جس کی نظیر خود اعتراض کرنے والوں کی قومی تاریخوں میں بھی نہیں مل سکتی،

جزیہ ایک خاص عطیہ ہے،

شمس الائمہ سرخسی کا نظریہ بیان کرنے کے سلسلہ میں اب یہ دکھانا ضروری ہو گیا ہے کہ مشرق کی طرح مغرب بھی غیر مسلموں کا اسی فراخ دلی سے خیر مقدم کرتا تھا، اور سلطنتِ اسلامیہ کے پورے طول و عرض سے جزیہ کے متعلق ایک ہی آواز آتی تھی، ابن العربی اندلسی قاضی ابو بکر معافری (م ۵۴۳ھ) نے جزیہ کو ایک مخصوص عطیہ لکھا ہے، جس سے ان شریفانہ جذبات کا پتہ چلتا ہے، جو غیر مسلم رعایا کے احترام کے متعلق اسلامی قانون سازوں اور قانون دانوں کے دلوں میں موجود تھے، اور جنہوں نے فقہ (قانون) کی کتابوں میں جگہ پا کر علمی حیثیت اختیار کر لی تھی، کیا وہ محصول جو "مالی امداد" ہو "عطیہ خاص" ہو کسی شخص کی دل آزاری یا ذلت کا باعث ہو سکتا ہے؟ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ

هنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است
گل است سعدی و در چشم دشمنان خار است

جزیہ نشان فرمانبرداری ہے

اس حد تک لکھنے کے بعد اب یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے، کہ جزیہ فرمان بردار رعایا ہونے کی ایک علامت ہے، آج بھی جو رعایا محصول ادا نہیں کرتی، باغی سمجھی جاتی ہے، اسی طرح اسلامی حکومت کے زمانہ میں جو لوگ جزیہ نہیں دیتے تھے، حربی (جنگجو) سمجھے جاتے تھے، اور جزیہ ادا کرنے والے سلطنت کے مطیع اور فرمانبردار متصور ہوتے تھے، شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں،

لان الذمی ملتزم احکام الاسلام | کیونکہ ذمی اسلام کے ان احکام کا پابند
فیما یرجع الی المعاملات، | ہوتا ہے، جو معاملات سے متعلق ہیں،

(مبسوط ص ۸۴، ج ۱۰)

(باقی)

تاریخ بابل

سلسلۂ اعلام القرآن

از

مولانا ابو الجلال صاحب ندوی

"مولانا ابو الجلال صاحب ندوی اعلام القرآن کے نام سے جو کتاب لکھ رہے تھے، افسوس ہے کہ وہ اس کی تکمیل نہ کرسکے لیکن اس کے متفرق اجزاء لکھ گئے ہیں، ان میں سے بعض معارف میں شائع بھی ہوچکے ہیں جن کو اہل علم نے بہت پسند کیا، اور ان کو جاری رکھنے کی فرمایش کی، اس لئے وقتاً فوقتاً اس کے مختلف ٹکڑے ہم شائع کرتے رہیں گے،

"م"

حضرت سلیمان علیہ السلام کے مخالفون میں سے ایک کا نام احیاہ تھا، سفر ملوک میں اسی کو نبی بتایا گیا ہے، حضرت سلیمان کی زندگی ہی میں اُس نے اُن کے ایک نوکر کو حضرت سلیمان ؑ سے ان پر کفر و شرک کا الزام لگا کر بھڑکایا کہ ان کے خلاف بغاوت کر دو، یربعام نے بغاوت کی، ناکام رہا اور مصر بھاگ گیا، ان کی وفات کے بعد وہ مصر سے واپس آیا اور بنی اسرائیل کے دس قبیلون کو یربعام نے خاندان سلیمان سے توڑ لیا، ۵ برس بعد فرعون مصر شیشق نے یروشلم پر چڑھائی کی، اور اس کو لوٹ مار کر چلا گیا، اس سے یربعام کی حکومت مستحکم ہو گئی، کچھ عرصہ بعد یربعام نے اپنے زیر اثر بنو اسرائیل کو بہکا کر بچھڑے سے دین سامری کو رواج دیا اور بنو اسرائیل کا یہ طبقہ بچھڑا پوجنے لگا،

یہ واقعہ سفر ملوک ؑ (۱۱: ۲۹، ۴۰، ۱۲: ۱، ۲۰-۱۲، ۳۰، ۱۴، ۲۵) اور سفر ایام میں بہ تشریح مذکور ہے،

عرب کے اندر آغاز اسلام میں ایسے بنی اسرائیل بھی تھے، جو حضرت سلیمانؑ کی بابت اخیاہ کے فتوی پر ایمان رکھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اعتراض کرتے ہوئے اخیاہ کو نبی ماننے والے یہود اہل کتاب نے کوئی ایسی بات کہی جس کے جواب میں خدا نے فرمایا،

ولمّا جآءھم رسول من
عند اللہ مصدّق لما معھم
نبذ فریق من الذین اُوتوا
الکتاب کتاب اللہ ورآء
ظھورھم کانّھم لا یعلمون
واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علی ملک
سلیمان وما کفر سلیمان ولکنّ
الشیاطین کفروا یعلمون النّاس
السحر وما اُنزل علی الملکین
ببابل ھاروت وماروت،

(بقرہ ۱۲: ۱۰۱ و ۱۰۲)

اور جب ان کے پاس ایک پیغمبر آئے اللہ تعالٰی کی طرف سے جو تصدیق بھی کر رہے ہیں اس کتاب کی جو اُن کے پاس ہے، ان اہل کتاب میں سے ایک فریق نے خود اس کتاب اللہ ہی کو پس پشت ڈال دیا، جیسے گویا اصلا علم ہی نہیں اور انھون نے ایسی چیز کا اتباع کیا جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت میں اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر نہین کیا، مگر شیاطین کفر کیا کرتے تھے، اور حالت یہ تھی کہ آدمیون کو بھی سحر کی تعلیم کیا کرتے تھے، اور اس کا بھی جو ان دونوں فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا بابل میں جن کا نام ہاروت و ماروت تھا،

حضرت سلیمان کے حالات سفر ملوک اور سفر ایام کے مؤلفون نے ناتن نبی (؟) کی کتاب اور سیلانی

انبیاء کی پیشین گوئیون اور عبد وینی کی روایتون کی کتاب سے نقل کئے ہین' (سفر ایام ۹ - ۲۹) یہ کتابین اب ناپید ہین، حضرت سلیمان پر اہل کتاب کے کفر کا فتوی در اصل سیلانی انبیاء کی کتاب کا اعادہ تھا، یہ کتاب نزول قرآن کے زمانہ تک موجود تھی، اور کلام اللہ سمجھ کر اس کی تلاوت کی جاتی تھی، اسی کتاب کا ذکر قرآن کی اس آیت مین ماتتلوا الشیاطین کے لقب سے آیا ہے، اس آیت مین خدا نے بتایا کہ سلیمان علیہ السلام نہین بلکہ اُن پر کفر کا فتوی لگانے والے شیاطین خود کافر تھے، اُن کے کافر ہونے کی دلیل یہ ہو کہ یہ لوگ ایک دوسرے کو سحر کی اور ہاروت اور ماروت کے لٹریچر کی تعلیم دیتے تھے،

ہاروت اور ماروت کی ہستیون اور ان کے لٹریچر پر بحث کا یہ محل نہین ہے، یہ فرشتے کہلانے والے اشخاص بابل کے باشندے تھے،

وجہ تسمیہ | بابل کو یہ نام کیون دیا گیا ؟ اس سوال کے جواب مختلف دیئے گئے ہین، یاقوت نے معجم البلدان مین لکھا ہے،

قال ابو المنذر ہشام بن محمد	ابو المنذر ہشام بن محمد نے کہا کہ ......
... ومدینۃ بابل بناہا بیوراسب	بابل کا بانی بیوراسب جبار تھا، بابل کی
الجبار واشتق اسمہا من اسم المشتری	پرانی زبان مین مشتری کو بابل کہتے تھے،
لان بابل باللسان البابلی الاول اسم	اسی کے نام سے یہ شہر موسوم ہوا،

بانی بابل کا نام بیوراسپ غالباً ایران کی کہانیون سے ماخوذ ہے، پرانی کلدانی مین بابل مشتری کو کہتے تھے یا نہین اس کا ہم کوئی فیصلہ نہین کر سکتے، یہ بات یاقوت نے تذکرہ بابل مین کہی ہے' فسطاط مصر کا ایک زمانہ مین کسی وجہ سے بابلیون نام تھا، بابلیون کے ذکر مین یاقوت نے لکھا ہے،

ذکر اہل التوراۃ ان مقام آدم	اہل توراۃ کا بیان ہے کہ آدم علیہ السلام
علیہ السلام کان بابل فلما قتل	بابل مین رہتے تھے، جب قابیل نے ہابیل

قابیل ہابیل مقت آدم قابیل	کو قتل کیا تو آدم علیہ السلام قابیل سے
فہرب قابیل باہلہ الی الجبال	نفرت کرنے لگے، اور قابیل پہاڑون کی
عن ارض بابل فسمیت بابل اعنی	طرف بھاگ گیا، اس لئے اس کا نام بابل
الفرقۃ	یعنی جدائی رکھا گیا،

معلوم نہین اہل تورات کا یہ قول یاقوت نے کہان سے نقل کیا، سفر تکوین مین یہ ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم کے اسلاف اس دیار مین قدم سے آئے، اُن کے یہان آنے سے پہلے

دھی کل ارض شفتیم احد یعر	ساری زمین ایک ہونٹھ اور ایک
دوبریو احد یھو،	بولی تھی،

یہان پہنچنے کے بعد ان لوگون نے ایک برج بنانا چاہا، خدا کو یہ ارادہ ناگوار گذرا، اس نے خداوند نے ان کی بولی بات مین اختلاف ڈال کر ان کو تمام روے زمین پر پراگندہ کیا، سو وے اس شہر کے بنانے سے باز رہے" یہ واقعہ نقل کر کے سفر تکوین کے جامع نے لکھا ہے، کہ

"اس لئے اس کا نام بابل (اختلاف) پڑا کیونکہ خداوند نے وہان ساری زمین کی زبانون مین اختلاف (بلبل) ڈالا، اور وہان سے اُن کو تمام روے زمین پر پراگندہ کیا، (تکوین ۱۱: ۱ تا ۹)

یاقوت نے ابوبکر احمد بن مروان المالکی الدینوری کی کتاب المجالس کے حوالہ سے تقریباً یہی قصہ حضرت انس بن مالکؓ کی طرف منسوب کیا ہے، جس مین انھون نے اخیر مین فرمایا ہے کہ پھر لوگ بہتر زبانین بولنے لگے،

وتبلبلت الالسن فسمیت	اور زبانین گڈمڈ ہو گئین، اس لئے اس
بابل،	کا بابل نام پڑا،

کسی عمارت کی تعمیر اختلاف السنہ کا سبب نہین ہو سکتی، جس عمارت کی تعمیر کے عزم کا توراۃ مین ذکر ہے، اور بتایا گیا ہے کہ بولی بات مین اختلاف کی بدولت وہ اس عمارت اور شہر کی تعمیر سے باز رہے، بعد مین ان لوگون مین جو یہین رہ گئے، اسے بنایا، اس عمارت کا نام سمیری زبان مین تنتر کی کا دنجر (دیوتا کا آستانہ) تھا، اسی کا ترجمہ یہان کے سامی باشندون نے باب ایل (خدا کا پھاٹک) اُمّ باب ایلون (خداؤن کا پھاٹک) کیا، جو مختصر ہو کر بابل ہو گیا، یہ پہلے اسی برج کا نام تھا، جسے توراتی بیان کے مطابق تعمیر کرنے کے عزم کی بنا پر خدانے وہان والون کی بولی بات مین اختلاف ڈالا، پھر بتدریج یہ نام اس شہر کا جس مین یہ عمارت تھی، اور اس کے بعد اس پورے علاقہ کا نام ہو گیا، جس پر شاہانِ شہر بابل حکومت کرتے تھے، توراۃ مین جس قسم کی بولی بات کے اتحاد اور اختلاف کا ذکر ہے، وہ مذہبی کلمہ کا اتحاد اور مذہبی کلمہ کا اختلاف ہے، اس بولی بات کے اختلاف کی نظیر بابل کے دو بادشاہون کے نامون مین ملتی ہے،

ایک شاہ بابل کا نام تھا سامو ابی یعنی میرا باپ سام ہے، اس نام مین کوئی بات ایسی ہے، جس سے ایسے نام خدا کو ناپسند تھے، چنانچہ توراۃ کے بیان کے بموجب حضرت ابراہیمؑ کا نام جو اُن کے باپ نے رکھا تھا، وہ ابی رام تھا، (میرا باپ رام ہے) خدانے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ یہ نام بدل دو، "اور آج سے تمہارا نام ابی رام نہین، بلکہ اب ابراہام ہو گا، حضرت ابراہیمؑ کا نام جس سبب سے خدا نے بدلوایا، اس کو سمجھنے کے لئے حضرت یرمیاہ کے صحیفہ مین خدا کا ارشاد پڑھو،

"جس طرح چور جب پکڑ لیا جاتا ہے رسوا ہوتا ہے، اسی طرح اسرائیل کا گھرانا اور ان کے بادشاہ اور امیر اور کاہن اور جھوٹ موٹ کے نبی رسوا ہونگے، جو کاٹھ سے کہتے ہین کہ تو میرا باپ ہے، اور پتھر سے کہ تو نے مجھے جنا ہے، انھون نے میری طرف رُخ نہین بلکہ پشت پھیر رکھی ہو، مگر مصیبت کے وقت کہین گے اُٹھ اور ہمین بچا، (یرمیاہ ۲: ۲۶، ۲۷)

اس سے معلوم ہوا کہ ابی رام اور سامو ابی جیسے نام رکھنے کا مطلب اس عقیدہ کا اعلان تھا، کہ رامو ایلو (رام ایک خدا ہے) اور سامو ایلو (سام ایک خدا ہے) اب سامو ابی کے نام کا مطلب سمجھنے کے بعد اس کے ایک جانشین کا نام سنو، سامو لو ایلو (سام خدا نہین ہے) اس قسم کے بہت سے نام باشندگان بابل کے پیش کئے جا سکتے ہین مثلاً بل بانی (بعل خالق ہے) اور یا بنی (یا خالق ہے) ان نامون سے ظاہر ہے کہ بابل مین جا کر بسنے کے بعد وہان والون مین جس قسم کا اختلاف اُن کی بولی بات مین پڑا تھا، وہ مذہبی اختلاف تھا، اور اسی مذہبی اختلاف کی وجہ سے بابل کو باب ایل نہ ماننے والون نے اسے بدل کر بیل بنا دیا، اور اب اس نام کے معنی طرح طرح کی بولی بولنا ہو گئے، بابل کی توراتی وجہ تسمیہ کو جدید تحقیقات کی روشنی مین غلط نہین کہنا چاہیے، بلکہ اسے ترمیم اسم کی وجہ قرار دینا چاہئے، بابل کے مندر کو باب ایل تسلیم کرنا سفر تکوین کے جامع کے لئے ناممکن تھا اسلئے اختلاف کلمات کے مطلب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس شہر کے نام مین ترمیم کر دی گئی،

محل وقوع | بابل عراق کے ایک شہر کا نام ہے، عراق دریائے دجلہ و فرات کی درمیانی وادی کا نام ہے، عرب کے نقشہ پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ طول بلد ۴۸، و ۵۰ اور عرض بلد ۳۰ تک خلیج فارس ایران و عرب کے درمیان گھسی ہوئی ہے، جس مین دریائے دجلہ و فرات گرتے ہین، جو واسط کے پاس پہنچکر ایک ہو جاتے ہین، واسط سے شمال کی جانب طول بلد ۴۵ اور عرض بلد ۳۰ کے پاس فرات کے مغربی کنارہ پر ایک مقام واقع ہے، جو تل نمرود کہلاتا ہے، اسی مقام کا نام بابل تھا، جسے عرصہ دراز کی بول چال نے دوآبہ دجلہ و فرات کے ثلث زیرین کا نام بنا دیا تھا،

باشندگان بابل | بابل کی وجہ تسمیہ مین ایک قول یہ نقل کیا گیا ہے کہ یہی مقام آدمؑ کا ابتدائی مسکن تھا، جہان سے قابیل جہان نود کو بھاگا تھا، یہ قول قابلِ استناد نہین ہے، یاقوت نے لکھا ہے،

ویقال ان اوّل من سکنھا نوح   اور کہا جاتا ہو کہ بابل مین سب سے پہلے

علیہ السلام وھو اوّل من — حضرت نوح آباد ہوئے، اور یہاں وہ

عمر بھا و کان نزلہا بعقب الطوفان — طوفان کے بعد آئے،

قرآن مجید کے بیان کے مطابق جس پہاڑ پر حضرت نوحؑ کی کشتی ٹکی تھی، اس کا نام جودی ہے، اور توراتی نام اس پہاڑ کا ارارات ہے، آشوری روایات کے مطابق اس پہاڑ کا نام نسر تھا، (دیکھو بحث جودی) حضرت نوحؑ اور اُن کے اصحاب کشتی اسی پہاڑ کے آس پاس بسے ہونگے، یہ آرمینیہ میں واقع ہے، حضرت نوحؑ کا بابل میں آباد ہونا مشکل سے یقین کیا جاتا ہے، مگر آشوری افسانۂ ازدوبار میں جس کا تذکرہ قصۂ نوح میں کیا گیا ہے، طوفان سے پیشتر حضرت نوحؑ کا آشوری نام تاسیت ناپشتم (شیث کا مثل) تھا، شہر شروپاک کے باشندے اور اُبارا توتو (قوم اُبار) کے فرزند تھے، یہ شہر خود اس افسانہ کے مطابق "ساحل فرات" پر واقع تھا، غالباً اسی روایت نے بعد میں یہ صورت اختیار کر لی کہ حضرت نوح کا مسکن بعد طوفان بابل میں تھا، توراۃ کے بیان کے مطابق بنی نوح جو اس دیار میں بسے یہاں کے قدیم باشندے نہیں تھے، بلکہ وہ اس دیار میں قدم سے آئے،

"اور جب وے قدم سے روانہ ہوئے، تو ایسا ہوا کہ انھوں نے سنعار کے ملک میں ایک میدان پایا، اور وہیں رہ پڑے، (تکوین ۱۱: ۲)

اسی ملک شنعار کے اس حصہ کا جس میں بنی نوح یا بالفاظ دیگر اسلاف ابراہیم علیہ السلام آباد ہوئے، دوسرا نام بابل ہے، (تکوین ۱۱: ۹)

توراۃ کی اس آیت میں میدان کی بجائے اصل عبرانی لفظ "قاعہ" ہے، قاعہ چٹیل میدان کو کہتے ہیں، جہاں نہ آدم ہو نہ آدم زاد، اور وہاں نہ درخت ہو اور نہ کوئی اور سایہ دار چیز، بنی نوح یا اسلاف ابراہیم علیہ السلام یہاں ایسے زمانہ میں آئے جب یہ علاقہ غیر آباد تھا،

حضرت ابراہیم کے اسلاف میں ایسے افراد بہت گذرے ہیں، جو اپنے نام "سامو ابی" جیسے رکھتے

تھے، اس لئے وہ بنو سام کہلائے، ان لوگوں کے یہاں آنے کے بعد لیکن اُن کے برسرِ عروج آنے سے پہلے ایک اور قوم اس دیار میں آبسی جس کی زبان اور طرز زندگی کے علاوہ صورت شکل بھی مختلف تھی، آثارِ باقیہ کے علماء نے اس قوم کو سمیریون کا نام دیا ہے، سفر تکوین کا جامع اور اس کے اتباع میں بعد کے عرب مورخین تمام اقوام عالم کو حضرت نوحؑ کے تین بیٹوں کی اولاد بتاتے ہیں جن میں سے ایک تو بنو سام کا مورث تھا سام، ایک بیٹے کا نام حام تھا، دراصل یہ نام مصری لفظ خم کی عبرانی صورت ہے، خم سرزمین مصر کا نام تھا، کیونکہ وہاں کی زمین سیاہ ہے، اور خم کے معنی ہیں کالی مٹی، رفتہ رفتہ یہ اہل مصر اور ان کے ہم نسلون کے مورثِ اعلیٰ کا نام ہوگیا، تورات کے بیان کے مطابق بنو حام بھی ابتدا میں سرزمین بابل میں رہتے تھے، پھر مصر وغیرہ میں جا بسے، تیسری قوم کا توراتی نام بنو یافث ہے، یہ بھی ابتدا میں بابل میں رہتے تھے، ان بابلی بنو یافث کو ہم آثارِ قدیمہ کی سمیری قوم سے تطبیق دیتے ہیں،

حاصل اس تفصیل کا یہ ہے کہ شنعار میں جو کہ بعد میں ارض بابل یا کلدانیوں کی سرزمین کہلایا، ابتدا میں تین قومیں آباد تھیں (۱) بنو یافث (۲) بنو حام، (۳) بنو سام

لیکن بابلی آثارِ قدیمہ کے علماء اس علاقہ کی دو ہی قوموں کو جانتے ہیں، جن میں سے ایک سومیری قوم تھی اور ایک سامی تھی، لیکن توراۃ کے بیان کو بالکل بے اصل نہیں کہا جا سکتا،

اور کی حکومت کے قیام سے پہلے کش نام ایک شہر میں مسلیم نام ایک فرمانروا تھا، جس کے جانشینوں کا راج عروج و زوال کے ساتھ [illegible] سے [illegible] سنہ ق م تک قائم رہا، یہ خاندان سامی النسل تھا، [illegible] سنہ قم سے [illegible] سنہ ق م تک شہر سرپلا نام ایک شہر میں جس کو جدید زمانہ میں جرسو، اور سنجر بھی کہا جاتا تھا، ایک بادشاہ اور کاجنا اور اس کے جانشین راج کرتے رہے، ان بادشاہوں کو سمیرین قوم سے بتایا گیا ہے، مسلیم کے برسرِ عروج آنے سے پہلے ۳۵۰۰ سنہ ق م میں ایک شاہ گنجی گذرا ہے، جس نے مسلیم کے پیش رو حکام کش کو شکست دی، یہاں کا مال غنیمت آثارِ قدیمہ کی شہادت کے مطابق "زمینوں کے خداوند ایل" کی

خدمت مین نذر پیش کیا تھا، اس بادشاہ کی بابت ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ کی پہلی جلد کے مولف نے لکھا ہے کہ ہمارے پاس یہ بتانے کے لئے مواد موجود نہین ہے کہ وہ کس قوم سے تھا سامی تھا یا سمیری تھا،

لیکن اس کا نام تھا، ان ننگ کوش انا، جو چار لفظون کا مجموعہ ہے،

(۱) ننگ، سگ = سردار (۲) انا = آسمان رتبہ (۳) ان - آقا، (۴) کوش = یہ نام توراتی کوش بن حام کے نام سے ملتا جلتا ہے، جس کے فرزند نمرود کی بابت توراۃ مین ہے، کہ

"اس کی حکومت کی ابتدا، سنعار کی سرزمین مین بابل ارک، اکاد اور کلنہ مین ہوئی مگر بعد وہ اشور کو نکل گیا، اور نینوی کا اجاب جبرا دکلح کو بنایا، اور نینوی اور کلح کے درمیان اس کی تعمیر کی، جو بڑا شہر ہے، (تکوین ۲۰: ۱۰ تا ۱۲)"

چونکہ بنو حام بالکل ابتدائی زمانہ مین اس دیار سے نکل گئے تھے اسلئے اُن کے نشانات یہان نہین ملتے، مگر واقعہ یہ ہو کہ اس دیار مین پہلے تین قومین آباد تھین، ان تینون کو سفر تکوین کے جامع نے حضرت نوحؑ کی اولاد بتایا ہے، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ قصہ کہان تک درست ہو کہ تمام زبانین بولنے والی دنیا بھر کی تمام قومین حضرت نوحؑ کی اولاد ہین،

بنو سام یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسلاف اس دیار مین قدم سے آئے تھے، قدم کے لغوی معنی سامنے کے ہین، مصر والے مشرق کو قدم کہتے تھے، توراۃ پر مصری محاورہ کا فی اثر ہے، قدم توراۃ مین خصوصیت کے ساتھ عرب کا نام ہے دوآبہ فرات و خابور کے علاوہ پورے عرب کو شمول ارمینیہ جہان دجلہ و فرات کے سرچشمے واقع ہین، توراۃ مین قدم کہا گیا ہے جس قوم کو سمیری کہا جاتا ہے ہمارے خیال مین اسی کا قرآنی نام یاجوج اور ماجوج ہے،

افسانوی تاریخ | قرآن مجید کی جس آیت مین بابل کا ذکر ہے نہ صرف اُس کے بلکہ قرآن مجید کے

اکثر قصون کے فہم کے لئے ابتدا سے بنی اسرائیل کی اسیری بابل کے عہد تک دوآبہ دجلہ و فرات کی اجمال کے ساتھ پوری تاریخ دینا زیادہ مفید ہوگا، ہر قوم خصوصًا ایسی قوم کی تاریخ جس کا زمانہ عروج فن تحریر کی ایجاد سے پہلے گذرا ہو خلاف عقل کتھاؤن سے شروع ہوتی ہے، ان کتھاؤن مین زمانہ دراز کی بھول بھلیون اور شاعرون کی بلند پروازیون نے بہت مشکلات پیدا کر دی ہین لیکن ہر پرانی کتھا اپنے اندر قدیم تاریخ کو چھپائے ہوئے ہی،

اہل بابل کی ایک کتھا کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتدا مین دو ہستیان تھین جن کے نام ہین انسو اور تیامت، یہ دونون میان بی بی تھے، ان سے لخما اور لخاموپیدا ہوئے، جو انشر اور کیشر کے والدین تھے، ان دونون نے انو، بل اور یا وغیرہ دیبی دیوتاؤن کو جنم دیا، ان دیبی دیوتاؤن سے ناراض ہوکر تیامت نے چند شریر ہستیون کو چن کر اُن کا امیر کنجو کو مقرر کیا، اور کنجو کی فوج دیوتاؤن سے ان کی خدائی چھیننے کو چلی، اس کی خبر انشر کو ہو گئی، اس نے اپنے ایلچی جاجا کو بھیج کر دیوتاؤن کو متنبہ کیا، چنانچہ مردوک اُن سے لڑنے کو اترا اور اس نے تیامت کو چیر کر دو حصے بنا دیئے جن سے آسمان اور زمین، پھر سیارے اور انسان وجود پذیر ہوئے، (ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ ج ۱ ص ۴۰۰)

اس افسانہ کے اندر قدیم تاریخ موجود ہے، قدیم زمانہ مین عرب کو خالدیہ والے ماتی تیامت، (ارض البحر) کہتے تھے، لخم عرب مین ایک خاص قسم کی مچھلی کو کہتے ہین، اس لئے ماتی تیامت یعنی ارض البحر کے قدیم باشندے لخم کہلائے، یہ بنو لخم جب اس سرزمین مین پہنچے، جس کا قرآنی نام بابل ہے، تو وہ انشر اور کیشر بن گئے، یہان انھون نے انو، بل اور یا وغیرہ بہت سے دیوتاؤن کو جنم دیا، اور وہ شرک اور متعدد دیوتاؤن کے قائل ہوگئے، اس وقت کنجو نام ایک رئیس کے ماتحت تیامت یعنی ارض البحر کے رہنے والے ایک دوسرے گروہ نے دیوتاؤن کی خدائی سے محروم کرنے کی جد و جہد شروع کی، ان دونون گروہون مین جنگ ہوئی، ایک گروہ کا رئیس کنجو تھا، دوسرے کا مردوک، مردوک

کے گروہ میں ایک تیسرا گروہ بھی شامل تھا جس کا نام (Gaga) ہے، یہ نام توراتی جوج کے نام سے ملتا جلتا ہے، جوج کا نام قرآن میں یاجوج اور آشوری کتبوں میں اجی جی ملتا ہے، اس جنگ میں غلبہ اس گروہ کو ہوا، جس کو جوج کی تائید حاصل تھی، اور مردوک نے پھاڑ کر تیامت کے دو حصے کر دیئے، ان میں ایک حصہ آسمان (سام) اور دوسرا حصہ زمین (حام) کے نام سے موسوم ہوا،

اثری تاریخ | یہ تاریخ اس زمانہ کی ہے، جب فن تحریر ایجاد نہیں ہوا تھا، اس کی ایجاد کے بعد ہم کو اس دیار میں دو قومیں ملتی ہیں جن میں سے ایک کو آثار قدیمہ کے علماء نے سمیری قوم کا نام دیا ہے کیونکہ قدیم شاہان عراق جو شمالی اور جنوبی دونوں حصوں پر حکومت کرتے تھے، اپنے آپ کو "اکاد اور سومیر کا بادشاہ" کہتے تھے، اور دوسرے گروہ کو سام نام دیا گیا ہے جن کی بولی عربی اور عبرانی وغیرہ زبانوں کے مطابق تھی،

افسانوی تاریخ میں سمیری قوم کا ذکر جاجا کے نام سے آیا ہے، جو توراۃ کا جوج اور قرآن کا یاجوج ہے، اس زمانہ میں یہ قوم تخم اور کنجو کے مقابل غیر اہم تھی، لیکن اثری زمانہ میں جو فن تحریر کی ایجاد کے بعد گذرا ہے ابتدا میں یہی قوم سب سے اہم تھی، اور سب سے پہلے اسی قوم نے اس دیار کے متعدد شہروں میں چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کیں، پھر کچھ عرصہ بعد سامی زبان بولنے والوں نے بھی حکومت اور اقتدار میں حصہ بٹانا شروع کیا، اسی زمانہ کی بابت توراۃ میں ہے کہ

"عابر سے دو فرزند پیدا ہوئے، ان دو میں سے ایک کا نام فلج رکھا، کیونکہ اس کے زمانہ میں زمین بانٹی گئی، اور دوسرے کا نام یقطن رکھا گیا،"

سب سے قدیم سامی بادشاہ جس نے ارض عراق میں اپنی حکومت قائم کی تھی، حال کی تحقیقات کے مطابق کش کا شہریار مسیلم تھا، اس کا زمانہ اندازاً ۳۰۰۰ ق م قرار دیا جاتا ہے، اس کے جانشینوں کی حکومت عروج و زوال کے ساتھ ۲۸۰۰ ق م تک قائم رہی، پھر پورے علاقہ میں دجلہ و فرات

پر ایک دوسرے سامی خانوادہ نے قبضہ کر لیا، جس کا مرکز حکومت اکاد تھا، اور اس خانوادہ کے بانی کا نام تھا،

شار جنی سار علی بن اتی بل

اس کو آشوری روایتوں کے مطابق سرجون اکبر بھی کہا جاتا ہے، یہ نام توراتی عابر کے پوتے سروج بن رعو کے نام سے ملتا جلتا ہے،

سرجون اکبر کے برسر عروج آنے سے پہلے ایک شہر سر برلامن پر جس کو جرسو، بن جرسو، اور ننجر بھی کہتے تھے، ایک سمیری خانوادہ حکومت کرتا تھا، جس کے قدیم ترین فرمانروا کا نام اور کاجنا ہے، اس کی حکومت مسیلم سے تقریباً سو برس پہلے قائم ہوئی، اور سرجون اکبر کے زمانہ تک عروج و زوال کے ساتھ قائم تھی، سرجون اکبر کے پہلے اُور اور گوتی نام دو شہروں میں دو اور حکومتیں سومیریوں کی تھیں، خاندان سرجون کی حکومت ضعیف ہو جانے اور ابوخ، ای س، اور لارسا میں چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہوئیں، ۲۴۰۰ ق م کے قریب ان تمام حکومتوں کو ایک نئے خاندان نے جس کے بانی کا نام ساموابی تھا، اور جس کا پایہ تخت شہر بابل تھا، ختم کر دیا، ساموابی کے خانوادہ کو عربی خاندان بتایا جاتا ہے،

اس طرح بابل میں یکے بعد دیگرے سات خانوادوں نے ۲۱۰۰ ق م تک حکومت کی جن میں سے دوسرے خانوادہ کے گیارہ بادشاہوں کے نام سومیریوں کے سے ہیں، اس خانوادہ کے خاتمہ (۲۰۰۰ ق م) کے بعد سے سمیری قوم بتدریج اس طرح نابود ہو جاتی ہے کہ پھر اس کا سراغ نہیں ملتا،

۱۳۰۰ ق م کے قریب ملک اشور میں ایک اور سامی قوم نے اپنی عظمت و وقار کی بنیاد رکھی قرآن کریم میں قوم یونس کے نام سے اسی قوم کا ذکر آیا ہے، جس کے ایک بادشاہ تغلات پلاسر

(تگلتی اپلا اشور) نے ۷۲۹ ق م مین بابل کی حکومت کا خاتمہ کرکے اس علاقہ پر خود اپنا راج قائم کرلیا،
لیکن ۶۲۵ ق م کے بابل کے ایک اشوری گورنر نبواپل اشور نے بابل مین ایک نئے خانوادہ کی بنیاد
ڈالی جس کو ۵۳۸ ق م مین ایرانیون نے شکست دیکر اپنے ماتحت کرلیا،

یہ ہو بابل کے اس عہد تک کی مختصر تاریخ جس عہد کے بابل کا قرآن کریم مین ذکر آیا ہے،

نبواپل اشور (نبو پلاسر) کے فرزند نبوکدرا دسر کا بائبل مین نبوکدرضر کے نام سے ذکر آیا ہے، یہ
نام نبو خدنضر پھر نبوخت نضر، پھر بخت نضر ہوکر عربی تاریخون مین بخت نصر بن گیا ہے، اسی بخت نصر
کے زمانہ کی تاریخ بنی اسرائیل کی طرف خدا نے سورۂ بنی اسرائیل کی پانچوین آیت مین اشارہ فرمایا؛
بنو اسرائیل پر بخت نصر نے چڑھائی کی، اور بہتون کو گرفتار کرلیا اور لیجا کر بابل کی سرزمین مین انکو بسایا،
ایرانیون کے زمانہ مین اُن کو وطن واپس آنے کی اجازت ملی، اسی اسیری بابل کے زمانہ مین بنو اسرائیل
نے وہ چیز سیکھی جس کی بابت قرآن مجید مین ارشاد ہوا ہے کہ

یُعلمون الناس السحر و مَا انزل علی الملکین ببابل ھَارُوتَ وَ
مارُوت،

اہل بابل کے دین و مذہب اور اُن کے طور طریقہ پر یاجوج و ماجوج، قوم ابراہیم، قوم یونس
اور قصۂ بنی اسرائیل کے تحت مشرح بحث کیجائے گی،

ارض القرآن حصۂ اول

عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح
لکھی گئی ہو جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ
کی تحقیقات سے تائید و تصدیق کی ہے،

قیمت :- سے ”منیجر“

فتاویٰ بابری

از

جناب شیخ فرید صاحب برہان پوری

دودمانِ گورگانیہ کے آخری جلیل القدر شہنشاہ حضرت محی الدین اورنگزیب عالمگیرؒ کے عہد کی بہترینا
علمی و مذہبی یادگار فتاویٰ عالمگیری محتاجِ تعارف نہین، مقام حیرت ہو کہ اسی خاندان کے عظیم المرتبت
فاتح، عدیم المثال سپاہی اور اولو العزم بادشاہ ظہیر الدین بابر کے عہد کی فقہ حنفی کی ایک تصنیف فتاویٰ
بابری کے ذکر سے تاریخ ادبیات فارسی کی معروف و معتبر کتب خالی ہین[1]، اتفاق سے اس کا قلمی نسخہ مولینا
سید احکام اللہ صاحب بخاری امام جامع مسجد، برہان پور کے ذخیرۂ مخطوطات مین راقم السطور کی نظر سے گذرا،
اس مضمون مین اسی تاریخی تبرک کا تعارف مقصود ہے،

مصنف کتاب شیخ نور الدین خوانی کے حالات کتب متداولہ مین نہین ملتے، نفائس المآثر مین
مختصر حالات درج ہین، مولانا امتیاز علی صاحب، عرشی ناظم کتب خانہ رام پور نے میری درخواست پر متعلقہ
حصہ نقل کرکے ارسال فرمایا ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ شیخ زین الدین خوانی کی اولاد مین
سے ہین، سلطان حسین مرزا کے عہد مین انھون نے ہرات مین نشو و نما پائی، شیخ الاسلام سیف الدین احمد

---

[1] معارف: فتاویٰ بابری، گرچہ کمیاب ہے لیکن نایاب نہین ہے، اور اس کے قلمی نسخے ہندوستان کے کتب خانون
مین پائے جاتے ہین، پٹنہ لائبریری مین بھی اس کا نسخہ موجود ہے اور اس کی فارسی مخطوطات کی فہرست مین مصنف کے
ساتھ تصنیف کے بھی مختصر حالات ہین، دکیٹلاگ مخطوطاتِ فارسی پٹنہ لائبریری، ج ۱۴ ص ۸۶)

کے شاگرد تھے، جو ملا سعد الدین تفتازانی کی اولاد مین سے تھے،

"از نبایر حضرت شیخ زین خافی است، بہ غایت خوش طبع و فہم عالی داشتند، شیخ نورالدین و شیخ زین[1] بہ وفور کمالات ممتاز اند، ایشان در زمان سلطان حسین مرزا بہ ہرات نشو و نما یافتہ بتحصیل فنون و فضائل بکمال شتافتہ اند، شیخ نورالدین شاگرد شیخ الاسلام[2] است کہ از نبایر مولانا سعد الدین تفتازانی است"،

مرزا علاؤالدین قزوینی نفائس المآثر مین رقمطراز ہین کہ چودہ سال کی عمر مین سلطان حسین مرزا کے مدرسہ ہرات مین صغر سنی، جمال اور سادہ روئی کے باوجود مسند درس پہ فائز ہوئے، دانش مندی اور مولویت مین وہ رتبہ اور استعداد بہم پہنچائی تھی کہ بڑے بڑے فاضل اُن کی مجالس افادات سے مستفید اور بہرہ مند ہوتے تھے،

"در صغر سن و عنفوان شباب رتبۂ مولویت و دانش مندی بجائے رسانیدہ کہ دانشمندان آن زمان از مجالس افاداتش مستفید و بہرہ ور می بودند"،

"در زمان شاہی بیگ خان او را در چاردہ سالگی باوجود سادہ روئی و جمال مدرس مدرسۂ سلطان حسین مرزا ساختہ بودند"

شیخ مذکور کے کمال علم و فضل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہین :-

"از غایت جدت طبع و دقت ذہن در اوان شباب از تحصیل علوم عقلی و نقلی فراغت یافتہ، گوش ہوش ملا ندہ از نتائج بحر خاطر فیض مآثر بہ لآلی نکات دقیقہ گران بار گشت، و پایۂ قدر و منزلش در مسلک زہد و تقوی و تجرد در فنون و علم تقوی از امثال و اقران درگذشتہ"

یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بحث و مناظرہ مین شیخ موصوف کا پلہ اکثر بھاری رہتا تھا،

[1] بابر کی مثنوی مبین کے شارح شیخ زین کے حالات بزم تیموریہ ص ۲۱ پر ملاحظہ کیجئے [2] بزم تیموریہ ص ۲۷

"مثل ملایان عصر و ملا نورالدین مثل کشتی گیرے است کہ ہر یکے را بہ طریق خاص مغلوب می ساخت کہ ہرگز تعصب آن نکردہ اند"،

نفائس المآثر مین ہے کہ شیخ نورالدین اور شیخ زین الدین ۹۲۲ھ مین قندھار آئے، اور حضرت فردوس مکانی بابر کی ملازمت اختیار کی،

"در سنہ ۹۲۲ اثنی و عشرین و تسعمایۃ [مجموعۂ] برادران بہ قندھار آمدہ بہ ملازمت حضرت فردوس مکانی رسیدہ"،

فتاوی بابری کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۲۵ھ کے آخر مین شیخ صاحب اپنے وطن سے روانہ ہوئے،

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بابر کی خدمت مین اُن کو باریابی کا شرف ۹۲۵ھ مین حاصل ہوا!

دیباچہ کی سفر کی تاریخ اواخر خمس و عشرین و تسعمایۃ[3] سے اگر آخری دو مہینہ مراد لئے جائین تو اس زمانہ کی طوائف الملوکی خوف و ہراس سے قندھار کے بُعد سفر کی مشکلات راستہ کی دشواریون اور ان موانع اور قوانسہ کے پیش نظر جن سے استخلاص شیخ کو دشوار اور نہایت ناگوار تھا بابر کے دربار سے شیخ کے توسل کا زمانہ ذی الحجہ ۹۲۵ھ یا محرم ۹۲۶ھ ہوگا،

شیخ بذلہ سنج اور خوش طبع بھی تھے، صاحب نفائس المآثر نے ان کی خوش طبعی کا یہ واقعہ نقل کیا ہے:

"مولانا نازلائی شاعر کہ یکے از خوش طبعان است، و معمائی بود، بجہت آن کہ بستر چہرہ بود، او را بہ غلامے نسبت می کردہ آنجا در سر جادہ مری از مقام، بہ شیخ نورالدین رسید و احوال پرسیدہ از پریشانی حال خود شکایت کردہ گفتہ اند کہ بخانۂ ابناے روزگاری رویم و حکایات بلا فائدہ

[3] دیباچہ ملاحظہ کیجئے،

می گوئیم و می شنویم ملا زلالی این بیت خوانده

تا کہ بگردد مہا چون شیخ و شیخ زادہ

گوئیم ہرزہ ہرزہ کردیم لا دہ لا دہ

دنیاد خندہ کردہ است، شیخ نورالدین در بدیہہ فرمودہ کہ این بیت گویا معمہ است با اسم شما کہ ہر ہر لالا ازان حاصل می گردد، شما را خندہ کردن عجب است ملا درہم شدہ وازین مطائبہ و خوش طبعی نادم گشتہ"

بدیہہ گوئی مین شیخ کو ید طولیٰ حاصل تھا، وہ شعر و ادب کی محفلون مین جب دوسرے شعرار کے اشعار سناتے تو اسی ردیف و قافیہ مین خود فی البدیہہ بیس بیس شعر کہہ کر شامل کر دیتے، اور سامعین مشکل سے یہ تمیز کر سکتے، کہ شیخ موصوف اپنے اشعار سنا رہے ہین،

شیخ نورالدین نے کابل مین وفات پائی،

کیفیت مخطوطہ، | فتاوی بابری کے زیر نظر قلمی مخطوطہ کی تقطیع ″۱۰×½ ″۱۵ اور ۲۲۹ صفحات مین ہر صفحہ مین پندرہ سطرین ہین، خط نستعلیق، روشنائی سیاہ اور عنوانات شنگرفی ہین، لوح کتاب مطلا دیبا کار، جدولین سُرخ اور سُنہری ہین، ناقص الآخر ہین،

سبب تصنیف | کتاب کے دیباچہ مین مولانا خوافی نے لکھا ہے، کہ وہ اپنے جوہر علم و فضل کو تصنیف کی شکل مین بادشاہ کی خدمت مین پیش کرکے اس کے وسیلہ سے دربار شاہی سے منسلک ہونے کی دیرینہ تمنا کو پورا کرنے کے لئے اپنے وطن سے ۹۲۵ھ کے آخر مین روانہ ہوئے، اور "مراحل و منازل" طے کرتے ہوئے "ممالک محروسہ" (؟) سے قریب ایک مقام پر پہنچے تھے، اور اس کشمکش مین تھے، کہ کس فن پر اپنی تصنیف پیش کرین، کہ بادشاہ کا حکم پہنچا کہ مسائل شرعیہ مین ایک کتاب فارسی مین تصنیف کیجائے، اس حکم پر مصنف نے مستند روایتون اور کتابون سے مسائل شرعیہ کو ضبط تحریر مین لانا شروع

کیا، اور ہدایہ (ھ)، کافی (ک)، شرح وقایہ (شو)، شرح مختصر وقایہ (ش)، خزانہ (خ) فتاوی قاضی خان (ق)، اور خلاصہ (ص) سے اس کی تالیف مین مدد لی ہے، تو مین کی علامتین مصنف نے حوالہ کے لئے مقرر کی ہین، جہان مختلف فیہ مسائل مین اپنی رائے ظاہر کی ہے، وہان علامت ن سے کام لیا ہے،

دیباچہ کتاب | کتاب کا دیباچہ گو کسی قدر طویل ہے لیکن اس سے مصنف اور تصنیف کے بعض پہلوؤن پر روشنی پڑتی ہے، اس لئے اس کو نقل کیا جاتا ہے،

"بازمی نماید بندۂ درماندۂ عاصی جانی نورالدین بن قطب الدین بن احمد بن زین الدین الخوافی اصلح اللہ شانہ، وصانہ عما شانہ، کہ مدۃ مدید این حقیر قلیل البضاعت را داعیہ آن بود کہ خود را بہ سایۂ دولت پادشہ فضیلت پروری رساند کہ باوجود کمال فطنت، بلند شرائف اوقات ارجمند را بہ ملاحظۂ نکات علوم نقلی و عقلی صرف نمودہ بنحوے کامل وحظے وافر از ہر علم حاصل کردہ باشند تا بمقتضائے انما یعرف ذو الفضل من الناس ذووہ" درجہ از درجات فضائل و مرتبہ از مراتب ارباب آن بر ضمیر منیرش مخفی نماند و فرصت بعید این کثیر عدیم الاستطاعت عزیمت آن می نمود کہ مخزونات خزانہ سینہ را کہ حاصل حیوات و محصول اوقات دیرینہ است مطرح مجلس سامی و محفل گرامی دین پناہے معدلت گسترے گرداند کہ بمقتضائے عدالت ذاتی و موروثی رعایت ہر امرے بہ قدر مرتبہ آن فرمودہ! اجتناب از ترجیح مرجوح و احتراز از تفضیل مفضول بر ذمت ہمت واجب داند والحق احضار این مفہومات در ذات ملک صفات حضرت بادشہ اسلام پناہ مصداق مقولہ السلطان ظل اللہ سلیمان دوران تاج بخشے و صاحب قرانے شہسوار میدان عالمگیری و کشورستانی مطیع فرمان شریعت متین، متاع اعیان سلاطین، صاحب تمکین، تابع احکام ان اللہ یامر بالعدل والاحسان، قامع آثار آثام ارباب ظلم و طغیان،

مشید ارکانِ دین و ملت، مخرب بنیان کفر و اباحت، حامی ارباب سنت و جماعت، ماحی اصحاب بدعت و ضلالت، افروزندۂ چراغ علم و تقوی بعد از انطماس و انطفا، افرازندۂ لوای درس و فتوی بعد از اندراس و اشتفا، دوالی ممالک جهانداری و رعیت پروری، بانی مبانی شهریاری و معدلت گستری، مهر سپهر جلالت و کامرانی، شاه بارگاه ایالت و جهانبانی، دُرّ درج حشمت و جلال دری بُرج سلطنت و اقبال

آنکه چون در مدحش اندیشم مقال

ناطقه حیران بماند عقل لال

الممدوح بلسان ارباب الحزت و اصحاب الانتباه، ظهیر السلطنت والدنیا والدین محمد بابر پادشاه، شید الله ارکان الدین المتین بدوام وجوده و بقایه، و متّع العالمین بتوالی جوده و تعاقب عطایه، چون انحصار مفهوم نیّر اعظم در جرم آفتاب ظاهر و روشن، بلکه اظهر من الشمس و ابین من الامس است،

لکلّ زمان واحدٌ یقتدی به

وهذا زمان انت لاشک واحد

دعا و و این امور آنکه همواره آبا و اجداد این بیچاره به وظائف که دعوات درویشان است بخاندان عالی ایشان آن حضرت اشتغال نموده، در ظلِ عواطف پادشاهان این دودمان متوالی الاحسان مرفه و خوش احوال می بوده اند، بنابرین مقدمات اکثر اوقات در تمهید اسباب آن می بود که سعی و کوشش نماید تا به هر حیله که از دست برآید، در سلک دعاگویان این دولت قاهره درآید، به واسطه کثرت موانع که به سبب به وددی طالع واقع بود، شاهد این مقصود از نقاب خفا چهره نمی گشاد، و وصول برین مطلوب در حجاب توقف می افتاد تا آنکه در

آواخر خمس و عشرین و تسع مایه (۹۲۵ھ) به عزیمت آنکه اداء طواف آن آستانه که قبلۂ آمال و کعبۂ اہل سعادت و اقبال است، نموده، بعد از رخصت بجانب حرمین شریفین توجه نماید، از وطن مالوف مهاجرت اختیار نمود، و بقدم سعی و اجتهاد بسیارے از مراحل و منازل پیموده تا به موضعی که قریب به ممالک محروسه است، رسید، و در آن موضع آن مقدار موانع و عوائق ظاهر گردید که استخلاص ازان متعسره بلکه متعذر می دید، ناگاه نسیم اقبال از مهبّ عنایات وزید و رائحه قبول از نواب بارگه فلک اشتباه به مشام جان رسانید، بموجب جذبة من جذبات الحق یوازی عمل الثقلین، کمند شوق در گردن این مستحق انداخته موانع متنوع را مرتفع ساخته در بیابانی از بوادی بیم ناک که منطقه تلف و هلاک بود، دوانید تا آخر الامر رخت اقامت را به بر از بلاو که در ظلِ نواب کامیاب از سائر نوائب مصئون و محروس است کشید، الحمد لله الذی هدانا لهذا و ما کنا لنهتدی لولا ان هدانا الله، و قبل از استسعاد و شرف بساط بوسی پرتو الطاف و عنایات آن آفتاب فلک جاه و جلال برین ذرۂ شکسته حال تافت و بانواع پرسش و نوازش نواب گردون جناب شرف اختصاص یافت، شکر این مواهب را واجب بود که تحفۂ دعا و صحیفۂ ثنا ے معروض یافت مجلس عالی گرداند، بخاطر خیان افتاد که ادائے آن دعائے و القاے این ثنائے بر وجهے مناسبت باشد که بعد الایام بر صحیفۂ روزگار باقی ماند بنا برآن عزیمت جزم نموده که در فنے از فنون رسالۂ تالیف نموده، موسوم باسم شریف سازد، فاما در تردد آن بود که کدام یک از علوم در نظر اشرف مقبول تر است تا بنظم ترتیب آن پردازد، ہمانا که بموجب کلمۂ مشهورۂ "ارباب الدول ملهمون" پرتو تردد این حقیر بر ضمیر مهر تنویر افتاده و کمال مرحمت و شفقت پادشاهانه ابقاء آن تردد در خاطر این کمینه رخصت نداده که درین اثنا بحکم جهان مطاع رسید که به تتبع و تالیف قسم عبادات از مسائل شرعیه فرعیه اشتغال نموده، آن چه

راجح و معتبر عند الاکثر است بزبان پارسی در قید کتابت آورد، وسط خلافیات در روایات ضعیفه نمود

خاطر بند کرآنها مشغول ندارد، ایجاباً بالحکم المطاع واطاعةً لامر الواجب الاتباع باوجود قلت

بضاعت وعدم استطاعت درین امر خطیر، شروع نموده که بعد از اتمام بمقتضائے حدیث "رب

حامل فقه الی فقیه اولی من هو افقه منه" در آن محفل عالی که ملجائے و ملاذ اهل فضل و اعانت معروض

دارد، از کتب معتبر بجز هفت کتاب بدست نیامد که اسامی آن کتب را عنقریب بتفصیل درمی

آورد، لاجرم چنان که حکماء به واسطهٔ عدم اطلاع بر حرکات ثوابت مدار علوم نجوم را بر سبعهٔ سیاره

نهاده اند به جهت طلب اختصار بر ستاره را برقمی امتیاز داده، این فقیر ضعیف نیز چون کتب

دیگر نداد، بنا دارین رساله برین هفت کتب می گذارد، و هر روایتے را بانکه متفق باشد به یکے

ازین کتب مستند ساخته مرقوم برقمے می گرداند و هر رقم را علامت کتابے می داد، چنان چه

از هدایه به هه

و از کافی به ک

" شرح وقایه " شو

" شرح مختصر وقایه " ش

" خزانه " خ

" خلاصه " ص

" فتاوی قاضی خان " ق

تعبیری نماید چندان که می تواند سخنان اکمل را بحکایات ناقص خود مقرون نمی گرداند، چرا که

ناقص مصاحبت کامل را نشاید، و اگر احیاناً کلمه چند ضرورت باشد مصدر بقسم ن که حرف اول

و آخر نقصان و نام این ناتوان است می سازد تا من احول را به علامت نقصان سخن و قائل آن

از سخنان اهل کمال ممتاز گردیده کسے را در غلط نیندازد، و از هر رقم تا رقم دیگر منسوب بدان رقم

اول می دارد و اصلاً سخن غیرے در آن میان نمی آرد، ملتمس از مطالعه کنندگان مصنف آن که

چون این ضعیف بکمال عجز و نقصان معترف است اگر برخطائے خلل اطلاع یابند بذیل عفو

و اصلاح بپوشند و بسیار و خصلت عیب جوئی و بدگوئی نکوشند فامارجا، واثق و امید صادق

است که چون از پرتو توجه خاطر کیمیا، اثر که آئینهٔ جمال نمائی مخدرات عالم غیب است جلوهٔ ظهور

یافته از شوائب عیب و خلل و مواقع ریب و زلل مصئون و محفوظ ماند، لکون الحفظة والعون

بر ضمائر اولوا الالباب پوشیده نماند که اول چیزے که بر مکلف یعنی عاقل و بالغ فرض شود بعد از

ایمان نماز است.......

نسخہ مذکور ناقص الآخر ہے، کتاب الصلوۃ سے شروع ہو کر کتاب الحج کی عبارت ذیل پر ختم ہو جاتا ہے:

"حج در لغت قصد کردن است بچیزے از روے تعظیم و در شریعت عبارت است از ارکان

مخصوصه بشرائط مخصوص که تفصیل آن معلوم خواهد شد، و این ارکان را حج بواسطهٔ آن می گویند

که مشتمل است بر قصد کعبهٔ معظمه و این حج فریضه است محکم و یکے از ارکان اسلام است و اگر کسے

از فریضهٔ آن منکر شود کافر گردد و در همه عمر یک بار فرض است در اداء شرائطاست که چون

وجود گیرد فرض شود بعد از اجتماع ،........"

نوائے حیات

جناب یحییٰ اعظمی کا مجموعهٔ کلام نوائے حیات جس سے ناظرین معارف اور دوسرے اصحاب ذوق پوری طرح

واقف ہیں دوبارہ چھپ گیا ہے اس ایڈیشن میں بہت سی نئی غزلوں اور نظموں کا اضافہ ہوا اور اب یہ مجموعہ پہلے سے

زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے اس کے شروع میں مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم فیض رقم سے ایک مبصرانہ مقدمہ

ہے ضخامت :- ۱۴۴ صفحے، قیمت :- مجلد للعہ، غیر مجلد ۱۲ "منیجر"

کشمیر میں شاہانِ مغلیہ کے چند آثار

از

جناب مولانا سید بدر الدین صاحب علوی استاد عربی مسلم یونیورسٹی

مندرجۂ بالا عنوان سے میرا ایک بسیط مقالہ معارف اعظم گڈھ بابت ماہ مارچ ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا تھا، اس میں (ملاحظہ ہو ص ۲۰۰) چشمۂ شاہی کے متعلق لکھا تھا کہ اس کا ذکر جب مجھ کو قدیم شاہی زمانے کی کتابوں میں نہ مل سکا، تو دوسرے وسائل سے کوشش کی لیکن اس میں بھی ناکامی رہی، البتہ مندرجۂ ذیل قطعۂ تاریخ غیر معلوم شاعر کا مل گیا،

دوشش دیدم نشستہ بر کوثر — شاہِ مردان علی جمجاہی

گفتمش السلام، گفت علیک — گفت، برگو، دگر چہ می خواہی

گفتمش بہر چشمہ تاریخے — گفت برگوئے، کوثر شاہی (سنہ ۱۰۴۲)

اگست ۱۹۴۲ء میں میرا لکھنؤ جانا ہوا، اتفاقاً عزیزم مولوی نثار احمد صاحب ایڈووکیٹ [...] چیرمین میونسپل بورڈ سیتاپور سے ملاقات ہوئی، انھوں نے میرے پاس بیٹھتے ہی کچھ فارسی اشعار گنگنا[نے] شروع کئے جن میں چشمۂ شاہی کا نام سن کر میرے کان کھڑے ہوئے، اور میں نے وہ اشعار اُن سے [...] بلند پڑھوائے، یہ ایک قطعہ کے اشعار تھے، جو اُن کے پردادا مولوی مظہر علی صاحب نے بزمانہ قیا[م] کشمیر چشمۂ شاہی کی مرمت کے موقع پر کہا تھا، یہ قطعہ سنانے کے بعد انھوں نے وہ قطعہ بھی پڑھا، جو او[پر] درج ہے، مولوی مظہر علی صاحب کے قطعہ سے میرے علم میں یہ اضافہ ہوا کہ سابق کا دستیاب شدہ قطعہ ابو[طالب]

کلیم کا ہے، میں نے اس وقت عزیز موصوف کو مختصراً اپنی دلچسپی کی وجہ بتادی اور یہ بھی کہدیا کہ اس وقت کا واقعہ معارف میں بطور ضمیمہ مضمون سابق شائع ہوگا،

لکھنؤ سے واپس آتے ہی ابو طالب کلیم کے کلیات اور اس کے حالات کی تلاش کی کہ اس کی جانب قطعہ کی نسبت جو معلوم ہوئی ہے، وہ پختہ طور پر ثابت ہو جائے، تذکروں میں حالات ملے، اور کشمیر سے اس کا شغف بھی معلوم ہوا، لیکن افسوس ہے کہ کلیات کا نسخہ نہ ملا، حیرت اور نہایت افسوس اس بات پر ہے کہ مطبوعہ ہوتے ہوئے بھی وہ نایاب ہے، جہاں جہاں سے مستعار ملتا، وہاں بھی نہ تھا، پرانی کتابوں کے فروخت کرنے والوں سے علی گڈھ اور لکھنؤ میں رجوع کیا، مگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی، پھر قلمی نسخوں کا خیال کیا، ایک ناقص نسخہ ہماری لٹن لائبریری میں ہے، اس کی بنا پر فیصلہ غیر مناسب تھا، بعض احباب کے ذریعہ سے کچھ اور قلمی نسخے ملے، جن میں سے بعض ناقص اور بعض مکمل تھے لیکن اس قطعہ سے خالی، بالآخر مصداق

تجری الریاح بما لا تشتہی السفن

اسی مجبور ہونا پڑ رہا ہے، کہ جیسا کچھ بھی ہے، اس انکشاف کو ناظرین معارف کے سامنے پیش کر دیا جائے،

مولوی مظہر علی صاحب کا قطعۂ تاریخ مرمت چشمۂ شاہی درج ذیل ہے،

چشم بد دور چشمۂ الیست کہ ہست — آب و تابش ز ماہ تا ماہی

بر رہِ او نہادہ سر تسنیم — سلسبیلش نمودہ ہمراہی

بود خاکش بسر ز حسرت شاہ — آبش افزود تیغ جم جاہی

پیش ازیں کلک تر زبانِ کلیم — در فشان شد کہ چشمۂ شاہی

سال تاریخ حال چشمۂ شیخ (سنہ ۱۲۵۰) — گفت مظہر ز روئے آگاہی

چوتھا شعر بتلا رہا ہے کہ پہلا قطعہ کلیم کا ہے، اور یہ کہ مادۂ تاریخ چشمۂ شاہی (سنہ ۱۲۵۹) ہے، لیکن اس کے

اعداد ۱۲۹۹ ہین، اس وجہ سے یہ مادہ نہین ہوسکتا، بلکہ جیسا اصل قطعہ کے اندر ہے، مادہ کوثر شاہی ہے، جس سے ۱۲۳۶ھ برآمد ہوتے ہین، الغرض

در فشان شد کہ چشمۂ شاہی

سے مولوی صاحب کا مقصد اس نام کی طرف اشارہ کرنا ہے، جس سے وہ مشہور ہے،

اس انکشاف کے بعد اپنے محولۂ بالا مضمون کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ خود اس کے اندر شاعر کا نام موجود تھا، جو ماخذ مین کتابت کی غلطی سے مخفی رہ گیا، کیونکہ وہان تحریر ہے کہ "کلم بدیہہ تاریخ گفت" اسکو "کلیم بدیہہ تاریخ گفت" ہونا چاہئے تھا،

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ مولوی منظر علی صاحب کا مختصر حال لکھدیا جائے، جو مولوی نیاز احمد صاحب مرحوم برادر کلان مولوی نثار احمد صاحب موصوف کی عبارت مین بعینہ ملاحظہ ہو،

مولوی منظر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکابر علماے عصر مین سے تھے، اور صاحب تصانیف بھی تھے، قبل تعین بصفت صدر امین و قاضی القضاۃ بریاست کشمیر مولوی صاحب مرحوم مدرسہ عالیہ کلکتہ مین پرنسپل تھے، اپنے ایک انگریز دوست کی فرمایش پر قلم برداشتہ ۲۹ روز مین ایک کتاب موسوم بہ اصول العلوم عربی زبان مین لکھی، جس مین دس علوم متداولہ پر ایسی اجمالی روشنی ڈالی کہ باریک سے باریک نکات بھی روشن ہوگئے ہین، اس کی نقل میرے پاس بھی موجود ہے، یہ کتاب خود اپنی نظیر ہے،

۱۲۶۰ھ مین جب کہ مولوی صاحب لاہور ہوتے ہوئے وطن آرہے تھے، تو بغرض قدمبوسی خلاصۂ دودمان مصطفوی نقاوۂ خاندان مرتضوی سید السادات جناب مولانا سید رجب علی خان بہادر بمقام لدھیانہ قیام کیا، اور جناب مولانا کی فرمایش پر ایک کتاب بزبان فارسی الموسوم بالرحمۃ النازلہ فی شرح النخبۃ المرسلۃ لکھی جو کہ بطبع نیر اعظم شاہ مین چھپی ہوئی ہے، یہ کتاب ہم کو بہت تلاش کے بعد کتب خانہ انوری تکیہ شریفیہ کاکوری مین ملی جس کی نقل ہمارے پاس موجود ہے، علاوہ اس کے مولوی صاحب نے ایک تفسیر

کلام مجید بزبان عربی لکھی جس کا نام مجھکو یاد نہین، یہ تفسیر میرے یہان موجود نہین، اس کا مسودہ بھی مولوی صاحب نے اپنے ایک دوست کو دیا، اور ہنوز انہی کے پاس ہے، اللّٰھم اردد الینا ضالتنا،

مولوی صاحب کا کشمیر مین بزمانہ مہاراجہ گلاب سنگھ قاضی القضاۃ ہونا اُن کی مہر سے ثابت ہے، جس کی نقل ذیل مین درج ہے، یہ نقل مجھ کو مولوی نیاز احمد صاحب مرحوم نے دی تھی،

بہادر مولوی منظر علی
صاحب گلاب سنگھ ۱۲۶۳ ھ
متعینہ سرکار سر مہاراجہ صفے
مہر صدر امین و قاضی القضاۃ

اس مہر کی عبارت کو اس طرح پڑھنا چاہئے :- "مہر صدر امین و قاضی القضاۃ مولوی منظر علی متعینہ سرکار سر مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب بہادر ۱۲۶۳ھ"

مین نے چاہا تھا کہ مدرسہ عالیہ کلکتہ سے مولوی صاحب کے حالات بحیثیت صدر مدرس معلوم کرون، مگر اس مین بھی کامیابی نہ ہوئی، معلوم ہوا کہ ملک کی تقسیم کے وقت جو سامان کلکتہ سے ڈھاکہ کو گیا اس مین مدرسہ کی تاریخ بھی چلی گئی، اس لئے یہ پہلو بھی تشنہ رہ گیا،

ارض القرآن حصہ دوم

قرآن مجید کے اندر جن قومون کا ذکر ہے، ان مین سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار انصار، اور قریش کی تاریخ اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر مفصل مباحث،

(زیر طبع)

ایک نادر کتاب کا تعارف

از

جناب سید نجم الحسن صاحب رضوی خیرآبادی

مولانا فضل امام خیرآبادی (علامہ فضل حق رحمہما اللہ کے والد ماجد) دنیائے علم میں ایک نامور معقولی اور یگانۂ روزگار فلسفی کی حیثیت سے متعارف ہیں، منطق میں آپ کی مشہور تصنیف مرقات ہندوستان کے تمام چھوٹے بڑے مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہے، لیکن بہت سے اہل علم بھی اس سے واقف نہیں ہیں، کہ مولانا کی جولانگاہ محض معقولات تک محدود نہ تھی، بلکہ دوسرے علوم و فنون پر بھی آپنے طبع آزمائی کی آمد نامہ جو فارسی قواعد کے تمام شعبون پر حاوی ہے، اور جس کی ایک فصل میں مشاہیر اہل علم کا بھی ذکر ہے، خاص خاص حلقہ میں روشناس ہو چکا ہے، حال میں موصوف کی ایک تاریخی تصنیف حکیم سید مشرف حسین مرحوم خیرآباد کے کتب خانہ میں نظر سے گذری جس سے لوگ واقف نہیں ہیں، اس لئے اس کا تعارف کرا دینا مناسب معلوم ہوا،

یہ کتاب فن تاریخ و سیر میں ہے اور فارسی زبان میں ہے، اور اتنی خستہ اور بوسیدہ ہو چکی ہے، کہ جابجا اوراق کے ٹکڑے اڑ گئے ہیں، کتابت میں کافی غلطیاں موجود ہیں، بعض مقامات پر کاتب نے پورا صفحہ سادہ چھوڑ دیا ہے، جس کی وجہ سے اگلی اور پچھلی عبارت میں ربط باقی نہیں رہ گیا ہے، پوری کتاب چھ سو ستر صفحات میں تمام ہوئی ہے، ہر صفحہ میں سترہ سطرین ہیں، قلم متوسط ہے، مصنف نے اس

سلہ اس کا قلمی نسخہ بخط مصنف کتبخانہ "نوتو نہ لاہر پور ضلع سیتا پور" میں محفوظ ہے۔ (۲)

تصنیف کا سبب دیباچہ میں یہ بیان کیا ہے:

"پس می گوید اضعف عباد اللہ المتوکل علی المفضل المنعم الہادی محمد فضل امام بن محمد ارشد الخیرآبادی غفر لہ ولوالدیہ واحسن الیہما والیہ کہ روزے بخاطر فاتر این بندۂ نحیف گذشت کہ چون انسان را احوال گزشتگان موجب عبرت و خبرت می باشد، و بسا امور دینی و دنیوی ازان انتظام می یابد لہذا اساتذہ در ہر زمان بتالیف کتب سیر و تواریخ پرداختہ اند و دفاتر ہا ازان پرساختہ و درین زمان بسبب قصور فہم اکثر ابنائے روزگار ازین علم شریف عاری و عاطل اند، و بسبب مبالات ازین فن شریف بسیارے ارباب زمانہ بے بہرہ و غافل اند، مناسب است کہ مختصرے از کتب متعارفہ التقاط کردہ اید کہ گزشتگان را تذکارے و برائے آئندگان یادگارے باشد، بنا بران این چند اجزا، از کتب معتبرہ مانند تاریخ فرشتہ و شمشیر خانی و منتخب التواریخ و دیگر کتب بعبارت سلیس و واضح انتخاب کردہ در سلک تحریر کشیدہ شد، و بنائے این کتاب بر چند گفتار نہادہ اند"

پوری کتاب سات گفتارون اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے:-

"گفتار اول، در ذکر احوال خلقت آدم علی نبینا علیہ السلام و ذکر انبیائے دیگر و غیر مرسل گفتار دوم، در ذکر صوفیائے کرام و اولیائے عظام، گفتار سوم در ذکر ملوک ایران، گفتار چہارم در ذکر راجگان کہ حکومت بہ دہلی و دیگر بلاد داشتند، گفتار پنجم در ذکر حکام غزنویہ و لاہور، گفتار ششم اسامی سلاطین سلجوقیہ، گفتار ہفتم در ذکر مشاہیر حکما و اطبا و مشاہیر خوشنویسان، خاتمہ در بیان بلاد ہفت اقلیم و عجائب و غرائب بلدان"

کتاب کی تصنیف کا زمانہ وہ ہے جب مولانا دہلی میں افتاء کے منصب پر فائز ہوئے تھے، اس لئے مشاغل کی کثرت، دربار کی حاضری اور درس و تدریس کی مشغولیت نے کتاب پر نظر ثانی کا موقع بھی نہیں دیا،

اور دوستون کے پیہم اصرار سے مجبور ہو کر مسوّدہ اسی طرح انکے حوالہ کر دیا اگر مصنف کو اس کتاب کی تکمیل و نظر ثانی کا پورا موقع ملا ہوتا، تو اس کتاب کا رنگ کچھ اور ہی ہوتا، اس کا مصنف کو افسوس تھا، وہ لکھتے ہین

تالیف این کتاب وقتے اتفاق افتاد کہ قائد قضا وقدر این کمترین خلائق را در دہلی انداختہ بفتوی نویسی عدالت آنجا مبتلا ساختہ بود، وذلک فی سنہ ۱۲۴۳؁ھ[1] ہجری قدسی وچون انتحال این احوال بسبیل استعجال اتفاق افتادہ وفرصت آن نشد کہ نظر ثانی کردہ آید، چہ اکثر در دربار می گزشت وبرخے از اوقات در تدریس صرف می شد وآن قدر مہلت کہ برائے سیر کتب سیر و تواریخ وغیرہ گنجایش تواند داشت دست ہم نمی داد وبعضے دوستان در نقل گرفتن و انتساخ این سخت عجلت وجلدی فرمودند لاجرم ہمان نسخہ مسودہ حوالۂ اوشان نمودہ شد، بنا بر آن از ناظرین توقع آن دارد کہ اگر بر سہوے وخطائے وقوف یابند آنرا بربے ماگی راقم وبے سوادی مولف حمل کردہ بذیل عفو بپوشند، ذالعفو عند کرام الناس مقبول،

راقم ڈاکٹر سید انظار حسین نبیرۂ حکیم سید مشرف حسین مرحوم کا ممنون ہے، جنھون نے اس نایاب گران بہا گنجینہ کے جس کا غالباً اور کہین وجود نہین ہے، مطالعہ کا موقع دیا، یہ کتاب اس لائق ہے کہ اسکی نقل حاصل کی جائے تاکہ یہ تاریخی یادگار ضائع ہونے سے محفوظ ہو جائے،

---

[1] غالباً کاتب نے سنہ ۱۲۴۳ کو غلطی سے ۱۲۴۳ھ لکھدیا ہے، اس لئے کہ مرزا غالب نے مولانا کا سنہ وفات اپنے قطعۂ تاریخ مین ۱۲۴۳ لکھا ہے، یعنی اس سے چار سال قبل آپ وفات پا چکے تھے، مرزا کے قطعہ کا شعر یہ ہے،

گفتم اندر سایۂ لطف نبی

باد آرامشگہ فضل امام

۱۲۴۴ھ

(باغی ہندوستان بحوالہ سبد چین غالب)

تلخیص تبصرہ

ہندوستان مین مسلمانون کے تمدنی اثرات

"موجودہ عہد مین "ہسٹری آف اورنگ زیب" کے مصنف جدو ناتھ سرکار مغلیہ دور کے بڑے مستند اور بلند پایہ مورخ سمجھے جاتے ہین، انھون نے اورنگ زیب کی ضخیم تاریخ جس نقطۂ نظر سے لکھی ہے اس کو مسلمانون نے پسندیدہ نگاہون سے نہین دیکھا ہے، اس لئے وہ مسلمانون کی تاریخ اور تمدن کے دوست اور ان کے حامی نہین سمجھے جاتے، لیکن انھون نے اپنے ایک مضمون مین غالباً بادل ناخواستہ کچھ ایسے حقایق لکھے ہین، جن کا مطالعہ آج کل بعض حلقون کے لئے بہت مفید اور دلچسپ ہوگا، ان کا ایک انگریزی مقالہ اپریل ۱۹۲۵ء کے ہندوستان ریویو مین "اسلام ان انڈیا" کے عنوان سے شائع ہوا تھا، گو یہ مضمون بھی بہت سے غلط واقعات و مفروضات پر مشتمل ہے، تاہم اس مین بہت سی حقیقتون کا بھی اعتراف کیا گیا ہے، اس لئے اس کے خاص خاص حصے ناظرین کی خدمت مین پیش کئے جاتے ہین، اس سے یہ اندازہ ہوگا کہ ہندوستان کے سنوارنے مین مسلمانون کا کیا حصہ رہا ہے، اس مضمون مین بہت سے ایسے خیالات بھی ہین جو صحیح نہین، اس لئے مضمون نگار کی ہر رائے سے اتفاق ضروری نہین ہے۔"

مسلمانون نے جب ہندوستان کو فتح کیا، تو ان کی فتح گذشتہ تمام فتوحات سے مختلف تھی، وہ ہندوستان آئے، تو اُن کو یہان کے پرانے باشندے اپنے مین ضم نہ کر سکے، ورنہ اُن سے پہلے یونانی، تورانی، تاتاری اور پارتھین حملہ آور جب یہان آباد ہوئے، تو چند نسلون کے بعد ہی وہ اپنے نام، لباس، رسم و رواج اور مذہب مین بالکل ہندو بن گئے، دوسری صدی قبل مسیح مین ایک یونانی ہیلیوڈورس نامی نے سفیر کی حیثیت سے ہندوستان کی سیاحت کی تھی، تو اُس نے وشنو کی پوجا کی، اور اس دیوتا کی یاد مین ایک ستون بھی بنوایا......

لیکن اسلام مین توحید کا تخیل اس قدر خالص اور شدید ہو کہ اس مین اور شرک اور تعدد الٰہ کی کوئی گنجایش ہی نہین ہے، اسلام کا خدا ہمیشہ زندہ اور غیور رہتا ہے، وہ کسی کو اپنا شریک نہین بنا سکتا، اور نہ اپنے اوپر ایمان لانے والون کے دلون مین کسی اور خدا کے وجود کو گوارا کر سکتا ہے، اسی لئے ہندوستان کے مسلمانون کا ہندومت کے ساتھ ضم ہونا ناممکن ہوگیا، وہ اپنے اللہ کو نہ وشنو کے کثیر التعداد اوتارون مین سے ایک اوتار مان سکتے تھے، اور نہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک صاحبِ الہام سادھو تسلیم کرنے کیلئے تیار ہو سکتے تھے، اسی لئے ہندو اور مسلمانون کے ایک ہی سرزمین مین رہتے ہوئے بھی دونون مین آمیزش نہ ہو سکی؛ اور ان مین جو خلیج پیدا ہو گئی، اس کو کوئی چیز پاٹ نہ سکی، ہندوستان کے مسلمانون کا رجحان ہندوستان کے بجائے باہر کی سمت رہا۔ آج بھی جب وہ نماز مین کھڑے ہوتے ہین، تو اُن کا منہ مکہ کی طرف ہوتا ہے، وہ ہر زمانہ مین جب بھی اپنے ذہنی نشو و نما، قوانین کی تدوین، ملک کے انتظامی معاملات اور نوشت و خواند کے معیار کے سلسلہ مین کوئی نمونہ تلاش کرتے تو وہ ہندوستان سے باہر، عرب، شام، ایران اور مصر کا ہوتا، مسلمانون کی بہت سی چیزین مثلاً ان کی مقدس زبان اُن کا لٹریچر، ان کے اساتذہ، اُن کے اولیاء اللہ اور اُن

کی درگاہین مشترکہ ہین جو تمام دنیا مین پھیلی ہوئی ہین، اور ہندوؤن کی طرح صرف ہندوستان ہی مین محدود نہین ہین،

ہندوؤن نے مسلمانون کو اپنے مین ضم کرنے کی کوشش کی، اسی سے انھون نے ا Allo-panishad لکھی، اور شہنشاہ اکبر کو اوتار تسلیم کر لینے کا خطرہ بھی مول لیا، لیکن مسلمان اپنے مذہب کی بنیادی باتون کو ترک کرنے، اور ان نئی رسمون کو اختیار کرنے کے لئے بھی آمادہ نہین ہوئے، جو ہندو سوسائٹی مین داخل ہونے کے لیے ضروری تھین، انھون نے قرآن کے اس حکم کو ہمیشہ ملحوظ رکھا کہ مشرک نجس ہین، اور کوئی نجس چیز کعبہ مین داخل نہین ہو سکتی،

ہندوستان آنے والے مسلمانون اور اُن سے پہلے کے حملہ آورون مین یہی بنیادی فرق رہا، اس کے علاوہ ایک اور خاص فرق یہ تھا کہ ۱۲۰۰ء سے ۱۶۰۰ء تک مسلمانون کی ریاست اور سوسائٹی سپاہیانہ اور خانہ بدوشانہ طرز کی تھی، حکمران طبقہ اس ملک مین اس طرح رہا، جس طرح کوئی فوجی کیمپ مین رہتا ہو، سولھوین صدی کے اخیر مین اکبر نے اس ملک کے لوگون مین یہان کی حکومت سے دلچسپی پیدا کرانے کی کوشش کی، اور خود حکومت بھی حاکمانہ فرایض کے علاوہ کچھ معاشرتی اور عمرانی فرایض انجام دینے کی طرف مائل ہوئی، لیکن مسلمان باشندے اس ملک مین رہنے کے باوجود اکبر کے عہد تک اس کا جزو بن کر نہین رہے،

اب سوال یہ ہے کہ مسلمانون نے اپنے عہد مین ہندوستان کو کیا کیا چیزین دین؟ ہمارے نزدیک یہ دس چیزین ہین،

(۱) مسلمانون نے ہندوستان کے تعلقات بیرونی دنیا سے قائم کرائے، جس کی وجہ سے بحری جہازون اور بحری تجارت کو از سر نو فروغ ہوا، ہندوستان مین چولا کی حکومت کے خاتمہ

کے بعد یہ دونوں چیزیں بالکل ختم ہوگئی تھیں،

۲- ہندوستان کے بیشتر علاقوں خصوصاً وندھیا کے شمال میں اندرونی طور پر امن وسکون قائم ہوا،

۳- ایک ہی قسم کے نظام حکومت سے تمام ملک میں یکسانیت پیدا ہوئی،

۴- مذہبی عقائد کے اختلاف کے باوجود اونچے طبقہ کے لوگوں کے عادات واطوار اور لباس وغیرہ معاشرتی امور میں یکرنگی پیدا ہوئی،

۵- ہندی اور اسلامی طرز کا ایک آرٹ پیدا ہوا، جس میں ہندوؤں اور جینیوں کے آرٹ کی بھی آمیزش تھی، اس لئے تعمیرات میں ایک نیا اسٹائل پیدا ہوا، اور عمدہ قسم کی صنعتوں کو فروغ ہوا، شال، کمخواب، قالین، اور مرصع کاری اسی زمانہ کی یادگاریں ہیں،

۶- ایک مشترکہ زبان پیدا ہوئی جو ہندوستانی یا ریختہ کے نام سے مشہور ہوئی، نثر نویسی میں ایک سرکاری اسٹائل کا رواج ہوا، جس کی بنا ان ہندو منشیوں نے ڈالی جو فارسی لکھا کرتے تھے، اور اس اسٹائل کو مرہٹوں نے بھی اپنی زبان میں رائج کیا،

۷- دلی کی حکومت کی وجہ سے جب امن اور اقتصادی خوشحالی بڑھی تو ملکی لٹریچر کو بھی ترقی ہوئی،

۸- مذہب میں توحید کے تصور کی تجدید ہوئی، اور تصوف پھیلا،

۹- تاریخی لٹریچر پیدا ہوا،

۱۰- فنونِ جنگ اور تمدن کے عام شعبوں کو فروغ ہوا،

بیرونی تعلقات | بودھوں کے زمانہ میں تو ہندوستان کے تعلقات ایشیا کے اور ملکوں سے پیدا ہوئے لیکن جب آٹھویں صدی عیسوی میں ازسرِ نو ہندو سوسائٹی کی تشکیل ہوئی، تو ہندوستان دنیا سے بے تعلق ہو کر خود اپنی سرحد کے اندر محدود ہوگیا، لیکن بارھویں صدی عیسوی میں جب مسلمانوں

نے ہندوستان کو فتح کیا، تو ایشیا اور افریقہ کے بعض علاقوں سے ہندوستان کے تعلقات پھر سے قائم ہوئے، لیکن اس کے بعد بھی ہندو خود باہر نہیں نکلے، البتہ باہر سے ہزاروں غیر ملکی ہندوستان آتے رہتے، اور کچھ مسلمان بھی ہر سال باہر جاتے رہتے، افغانی سرحد کے درّوں کی راہ سے بخارا، سمرقند، بلخ، خراسان، خوارزم اور ایران سے عام لوگوں کے علاوہ تاجروں کی آمد ورفت برابر جاری رہی اور یہ سلسلہ مغلوں کی حکومت کے خاتمہ یعنی ۱۷۳۹ء تک قائم رہا، بولن کے درہ سے قندھار اور ایران تک راستہ جاتا تھا، اس راستہ سے جہانگیر کے زمانہ یعنی سترھویں صدی کے آغاز میں ہر سال چودہ ہزار بار شتر تجارتی سامان باہر سے آتا تھا، مغربی ساحل پر بہت سی بندرگاہیں ایسی تھیں، جن کے ذریعہ بیرونی دنیا میں رسائی ہوتی رہتی تھی، مشرق میں مسولی پٹیم کی بندرگاہ پر گولکنڈہ کے سلاطین کا قبضہ ۱۶۸۶ء تک رہا، جس کے بعد مغلوں کا قبضہ ہوا، یہاں سے لنکا، سماترا، جاوا، سیام اور چین تک جہاز جاتے رہتے تھے،

یکسانیت | مغلوں کے دوسو سالہ عہدِ حکومت میں پورے شمالی ہند اور دکن کے بیشتر حصہ میں سرکاری زبان، نظام حکومت اور سکوں میں یکسانیت پیدا ہوئی، ایک مشترکہ زبان بھی پیدا ہوئی، جس کو برہمنوں اور دیہاتیوں کے علاوہ ہر طبقہ کے لوگ بولتے، مغلوں کے ملکی نظام، سرکاری خطابات، درباری آداب اور سکوں کے ضوابط کو ان ہندو راجاؤں نے بھی اختیار کیا جو مغلوں کے زیرِ اثر نہ تھے،

مغلوں کے زمانہ میں بیس صوبے تھے، ہر صوبہ میں ایک ہی قسم کا نظم ونسق تھا، ایک ہی قسم کے خطابات بھی تھے، سرکاری کاغذات میں ایک ہی زبان فارسی استعمال کی جاتی تھی، سرکاری عہدہ داروں اور فوجیوں کا تبادلہ ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں برابر ہوتا رہتا تھا، اس لئے ایک صوبہ کا آدمی دوسرے صوبہ میں اپنے کو اجنبی محسوس نہیں کرتا تھا، تاجر اور مسافر آسانی سے

ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ مین آیا جایا کرتے تھے، اور اس آمد و رفت سے اُن کو اس وسیع ملک کی سیاسی وحدت کا احساس ہوتا تھا،

فنون لطیفہ | فنونِ لطیفہ مین مسلمانون کے بڑے احسانات حسب ذیل ہین،

۱۔ انھون نے تعمیرات مین ایک نیا طرز ایجاد کیا، محلون اور مقبرون کی تعمیر اُن کی خاص چیز ہے،

۲۔ ان کی وجہ سے مصوری مین ایک خاص اسکول قائم ہوا،

۳۔ ہندوستان مین فن باغبانی کا ذوق پیدا ہوا،

شروع مین مسلمانون کی مصوری کے جو نمونے خراسان اور بخارا سے ہندوستان پہنچے، ان مین خصوصًا چہرون، چٹانون، اژدہون، آگ اور پانی کی چادر کی مصوری مین چینی اثرات کا غلبہ نظر آتا تھا، لیکن ہندوستان کے اصلی قومی بادشاہ اکبر کے دربار مین مسلم آرٹ مین چینی اور غیر ہندوستانی اثرات کے ساتھ ہندو آرٹ کی بھی آمیزش ہونے لگی، جس کی روایات مین اجنتا، بھاد ہوت اور ایلورا کی مصوری کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی،

اکبر کے زمانہ مین مسلم آرٹ مین پہلی مرتبہ تغیر پیدا ہوا، اور چینی آرٹ مین جو سختی پائی جاتی تھی، اس مین نرمی پیدا کی گئی، اور اس آرٹ کی رسمی باتون سے پرہیز کیا جانے لگا، چٹان، پانی، اور آگ کی مصوری مین ایک نیا طرز اختیار کیا گیا، جس مین چینی اسکول کے اثرات تو باقی تھے، لیکن وہ فطرت سے قریب تر ہوتے تھے، پھر رفتہ رفتہ چینی اثرات زائل ہونے لگے، اور مصوری کی خصوصیات اور مناظر بین طور پر ہندوستانی ہو گئے، اور یہ ترقی اکبر کے بعد بھی جاری رہی، یہان تک کہ شاہجہان کے عہد مین چینی اثرات پر ہندوستانی اسٹائل غالب آگیا، پھر اس آرٹ نے نزاکت، رنگ آمیزی، باریکی، مرصع کاری، اور فطرت نگاری مین بڑا کمال پیدا کیا، اس انڈو مسلم آرٹ کو فروغ مغلون کے دربار ہی مین ہوا، اور اس زمانہ مین ہندوستان کے مصورون نے اپنے کمالات کے جو ہر دکھائے یہ اسٹائل

ہندوستانی آرٹ یا مغل مصوری کے نام سے اب تک باقی ہے،

زبانون کی ترقی | سنہ ۱۲۰۰ء کے بعد سے سنسکرت ایک زندہ زبان کی حیثیت سے باقی نہین رہ گئی تھی، اور گو اس زبان مین کتابین لکھی جاتی رہین، اور اب بھی لکھی جاتی ہین، لیکن یہ تمام کتابین بناوٹی ہین یعنی یا تو وہ شرحین ہین، یا شرحون کی شرحین ہین، یا رسمی باتون پر کچھ رسالے ہین، ان مین کوئی ایسی اوریجنل تصنیف نہین ہے، جس کو واقعی لٹریچر کہا جا سکتا ہے، اس کی کوئی کتاب نہ دل کو متاثر کرتی ہے، نہ معلومات مین اضافہ کرتی ہے، اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ سنہ ۱۲۰۰ء سے سنہ ۱۵۵۶ء تک کا زمانہ جس کو عام طور سے پٹھانون کا عہد کہا جاتا ہے، شمالی ہندوستان کا ایک تاریک دور تھا، اس ساڑھے تین سو برس کی مدت مین ہندوؤن کا دماغ بالکل کورا اور بنجر رہا، لیکن جب اکبر نے اپنے دشمنون پر غلبہ پا کر شمالی ہند مین ایک وسیع سلطنت قائم کی تو امن و امان اور اچھے نظام سلطنت کے خوشگوار نتائج پیدا ہونے لگے، امن کی وجہ سے دولت بڑھی، اور دولت کے ساتھ ذہنی تعیشات کی جلوہ آرائی شروع ہوئی، تمام صوبون کی زبانون مین یکایک ترقی ہونے لگی، بنگال مین چیتنیا کے مقلدون نے بنگالی زبان مین ایک نئی روح پھونک دی، اس زبان مین گیتون کے علاوہ بعض اہم کتابین خصوصًا سوانح عمریان لکھی گئین،

ہندی زبان مین تلسی داس نے اپنی غیر فانی کتاب رام چرت مانس سنہ ۱۵۷۵ء عیسوی مین لکھنی شروع کی، اس سے پہلے محمد جائسی نے پدماوت سنہ ۱۵۴۰ء مین ختم کی تھی، اس نے سنہ ۱۵۶۲ء مین مارسی گاوت بھی لکھی، اس زمانہ مین ہندی نظمین بکثرت لکھی گئین، انہی مین سے اکھراوت، سپناوت، کندراوت، مادھو ملاتی، عثمان چتراوتی ہین، کبیر دادو، اور نانک نے بہت سی مذہبی نظمین لکھین، لیکن ان کی حیثیت

ملہ معارف :- فاضل مقالہ نگار مغلیہ عہد کے مورخ ہین اس سے پہلے کے عہد پر ان کا تاریخی مطالعہ وسیع نہین، اس لئے اُن کی یہ رائے قابلِ قبول نہین،

مستقل لٹریچر کی نہین، وہ محض پند و نصائح ہین، جو زبانی یاد کرلئے جاتے تھے،

اردو سولھوین صدی مین پیدا ہوئی، شروع مین یہ بازاری زبان تھی، اور مصنفون اور اعلیٰ سوسائٹی کی نظرون مین حقیر سمجھی جاتی تھی، لیکن شمالی ہند مین اٹھارھوین صدی کے آخر مین یہ زبان علمی بن گئی، دکن مین ایک صدی پہلے ہی اردو جس کو ریختہ بھی کہتے تھے، شاعری کے اچھے اچھے نمونے پیش کئے گئے۔ تمہ وتی اورنگ آبادی اردو کے سب سے پہلے ممتاز شاعر سمجھے جاتے ہین،

اکبر اور اس کے باجگذار حکمرانون نے علوم و فنون کی بڑی سرپرستی کی جس کی وجہ سے سولھوین صدی کے آخر اور سترھوین صدی کے نصف تک ہندوستان کے ذہن و دماغ کا حیرت انگیز نشوونما ہوا، اسی زمانہ مین بنگال کی تاریخ سنسکرت مین "شیخ سبھودیا" لکھی گئی، جس مین ایک عجیب و غریب مخلوط زبان استعمال کی گئی ہے، اسی عہد مین شاہجہان کے درباری چندر بھان برہمن کی فارسی تحریرون کی شہرت ہوئی، اسی دور مین ہندی کی تصنیف مترا بندھو ونود مشہور ہوئی،

مذہبی اثرات | مشہور مورخ گنگھم رقمطراز ہے کہ

"مسلمان ہندوستان مین ایک نئی قوم کی حیثیت سے آئے، وہ اپنی شجاعت مین چھتریون کے برابر یا اُن سے بڑھکر تھے، وہ برہمنون کے تقدس کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، انھون نے توحید کو بابانگ دہل پیش کیا، اور یہ بتایا کہ خدا بتون سے نفرت کرتا ہے، ان تمام باتون نے ہندوستان کے لوگون کے ذہن کو متاثر کیا ...... "ہندو مذہب اور اسلام کے اختلاط کا پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ چودھوین صدی کے آخر مین بنارس کے رامانند نے ایک مذہبی فرقہ کی بنیاد ڈالی، جس کا ہر فرد خدا کی نظرون مین یکسان سمجھا جاتا تھا، اور اس مین کسی امتیاز کے بغیر ہر قوم کے لوگ رامانند کے چیلے بن کر شریک ہو سکتے تھے،"

[illegible] اور دوسرے یورپین مصنفون کا یہ کہنا صحیح نہین ہے کہ ازمنۂ وسطیٰ کے ہندوؤن

مین توحید کا تخیل اور ذات پات کے خلاف جذبات اسلام کے اثر سے پیدا ہوئے، ہندوؤن مین شروع سے جتنے بڑے بڑے مفکر اور مذہبی مصلح پیدا ہوئے، انھون نے یہی تعلیم دی کہ بے شمار دیوتاؤن کے پیچھے ایک ہی خدا ہے، اور ہر پجاری خدا کے نزدیک برابر ہے، ان مصلحین نے یہ بھی تعلیم دی کہ مذہبی رسم و رواج توہمات ہین، لیکن ان تمام چیزون سے بالاتر صرف ایک سیدھا سادہ عقیدہ ہے، انھون نے مذہب کی باتون کو آسان بناکر ادنیٰ طبقہ تک پہونچانے کی بھی کوشش کی، لیکن اس مین شک نہین کہ ان تمام اصلاحی تحریکون مین مسلمانون کے آنے کی وجہ سے بڑی ترقی ہونے لگی، ہندوؤن کے دماغ پر جو تعصب چھایا ہوا تھا، وہ مسلمانون کی سوسائٹی کے اثر سے دور ہونے لگا،

مسلمان صوفیون نے ہندوؤن اور مسلمانون کے اعلیٰ دماغون کے لئے ایک مشترکہ پلیٹ فارم تیار کیا، اور صوفیون کے فلسفہ کے اثرات سے حکمران طبقہ محکومون سے قریب تر ہوا،

تاریخی لٹریچر | تاریخ نویسی مین ہندوؤن کا دماغ بالکل محدود تھا، مسلمانون کی فتح سے پہلے ہندوؤن نے کوئی ایسی کتاب نہین لکھی تھی، جو صحیح معنون مین تاریخ کہی جا سکتی ہے، اس کے برخلاف عربون کا دماغ خشک، مرتب اور حقیقت پسند ہوتا ہے، وہ تمام واقعات کو تاریخ وار لکھنے کے عادی ہین، مسلمانون کا تاریخی لٹریچر بہت ہی وسیع اور متنوع ہے، اور اس مین سنہ و سال کی باضابطہ ترتیب رہتی ہے، ہندوستان کے ہر مسلمان خاندان کے زمانہ مین تاریخین لکھی گئین، مغلون کے ہر بادشاہ نے اپنے عہد کی تاریخ لکھوائی، ان تاریخون کا نہ صرف مطالعہ کیا گیا، بلکہ ہندو مصنفون اور راجاؤن نے ان کے طرز کو نقل کرنے مین تساہل سے کام نہین لیا، اس طرح ہندوستانی لٹریچر مین ایک نئے اور بہت ہی مفید فن کا اضافہ ہوگیا، چنانچہ سترھوین اور اٹھارھوین صدی مین تاریخون، سوانح عمریون اور خطوط کا ایک عظیم الشان ذخیرہ فراہم ہوگیا،

کلچرل اثرات | مسلمانون نے ہندوستان مین صدیون حکومت کی، اس لئے یہان اُن کے تمدنی

اثرات گوناگون ہین،

شکار خصوصًا باز اور شکرے سے شکار کھیلنے کے طریقون مین مسلمانون کا اثر غالب ہوا، اس کے لئے ان ہی کی اصطلاحات استعمال ہوئین، تمدن کے دوسرے شعبون مین بھی فارسی عربی اور ترکی الفاظ ہندی بنگالی بلکہ مرہٹی زبان تک مین استعمال کئے جانے لگے،

مسلمانون نے فنونِ جنگ مین بڑی ترقی کی تھی، انھون نے یہ فن ترکی سے سیکھا تھا، جو یورپ کے فنونِ جنگ سے متاثر تھا، اور کچھ ایرانیون سے بھی سیکھا تھا، مغلون کی فوج کے نظم ونسق کو ہندو راجاؤن نے بڑی رغبت سے اختیار کیا، تمدن جیسے جیسے بڑھتا گیا، اور جنگ مین توپون کے استعمال کی کثرت ہوئی، تو مسلمانون نے حصار بندی کو بڑی ترقی دی، مسلمانون ہی نے یہان بارود رائج کی، ہندوؤن کو جنگ مین ہاتھیون پر بڑا بھروسہ رہا کرتا تھا، لیکن مسلمانون نے سوارون کے دستے کے طریقۂ جنگ کو اتنی ترقی دی کہ ہاتھی جنگی مصرف کے لئے بیکار ہوگئے، اور وہ لڑائی مین صرف باربرداری کے کام مین آنے لگے،

ملکی نظام، دربار کے آداب، لباس پوشاک، اعلیٰ طبقہ کے طرزِ زندگی سامان تعیشات، فنونِ لطیفہ، تعمیرات اور فن باغبانی مین مسلمانون کے اثرات بہت نمایان طور پر ظاہر ہوئے، مغلون نے دربار کے مراسم، خطابات اور سرکاری عہدہ دارون کے آداب مین جن جن باتون کو رائج کیا، ان کو اکثر ہندوؤن نے فخریہ نقل کیا، راجپوت اور مالوہ کی بعض ریاستون مین سرکاری زبان آج تک اردو ہے، اور اس کا رسم الخط دیوناگری کے بجائے فارسی ہے،

محکمۂ مالیات کا نظام تو دیسی رہا جو بہت ہی قدیم زمانہ سے ہندوستان مین رائج تھا، لیکن اس نظام کی سرکاری ترتیب اور اس کے حساب کتاب کے طریقون اور اس محکمہ کے القاب کو مسلمانون نے رائج کیا اور اُن سے ہندو ریاستون نے لیا،

مسلمانون کی روزانہ کی زندگی مین ہندوؤن کے مقابلہ مین تعیش زیادہ تھا، وہ زیادہ تر شہرون مین رہتے تھے، اس لئے اُن کی وجہ سے صنعتون اور فنون لطیفہ کو زیادہ فروغ ہوا، اُن کا ذوق ہندوؤن سے زیادہ بلند اور پاکیزہ تھا، متمول ہندو خصوصًا سرکاری طبقہ ان ہی کے ذوق کو اپنی زندگی کا معیار بناتا تھا حتی کہ معیشتون مین بھی ان ہی کی ریس کرتا تھا،

مسلمانون نے کھانے پینے کی بہت سی نئی چیزین رائج کین، جمالیات، عطریات اور رقص وسرود مین مسلمان شاہی خاندان کا ذوق پوری سوسائٹی کی رہبری کرتا تھا، گو رقص وسرود مین اُن کا ذوق کچھ بہت ترقی یافتہ نہ تھا،

کاغذ مسلمانون ہی نے یہان رائج کیا، جیسا کہ اس کے عربی نام سے ظاہر ہے، کاغذ کے رائج ہونے کے بعد پتھرون پر کتابون کے لکھنے کا رواج بند ہوگیا اور کتابین ظاہری حسن کے ساتھ زیادہ تعداد مین ہاتھون مین آنے لگین، مخطوطات کی طلاکاری ایک خاص آرٹ ہے جو مغلون کے زمانہ مین شروع ہوا، اکبر اور اس کے بعد کے عہد مین ہندو راجاؤن کے لئے ہندی اور سنسکرت کتابین نقل کی جانے لگین، اور اُن کو مصور بھی کیا گیا، یہان کی فارسی کتابون کی طلاکاری اور خطاطی کی شہرت یورپ تک پھیلی، جس کی وہ مستحق تھی، مسلمانون ہی کے اثر سے کتابین عام طور سے نقل کی جاتین، اور علوم و فنون کو پھیلایا جاتا، ورنہ اس سے پہلے ہندو اپنی کتابون اور علوم و فنون کو راز ہی مین رکھنا پسند کرتے تھے،

یونانی اطبا اپنے زمانہ کے بہترین طبی مشیر سمجھے جاتے تھے، اس کی وجہ کچھ تو یہ ضرور تھی کہ سلاطین اور امرا اُن کی سرپرستی کرتے تھے، لیکن ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ہندوؤن کے فن طب کی ترقی بالکل مسدود ہوگئی تھی، اور مسلمانون کا یہ فن روز افزون ترقی کر رہا

تھا، کیونکہ وہ مغربی ممالک کی ترقیون سے باخبر رہتے تھے،

مسلمان بیرونی ملکون کا سفر کرکے تجارت کیا کرتے تھے، اس سے اُن کے ذہن و دماغ مین وسعت پیدا ہوتی رہتی تھی، ان کے مقابلہ مین ہندو گھر ہی مین بند رہنا پسند کرتے تھے،

فارسی زبان مین "مرد جہاندیدہ" ایک اصطلاح ہے، جو ایسے شخص کے لئے استعمال کی جاتی تھی، جس نے بہت زیادہ سیر و سیاحت کی ہو، ایسا شخص عقل و دانش اور کلچر کا نمونہ سمجھا جاتا تھا، جو بالکل صحیح ہے،

"ص ع"

خطبات مدراس

مولانا سید سلیمان ندوی نے ۱۹۲۶ء مین مدراس مین سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤن پر آٹھ خطبے دیئے تھے، جو نہایت مقبول ہوئے، اور مسلمانون نے اُن کو بیحد پسند کیا،

ضخامت :- ۱۹۴ صفحے، چوتھا اڈیشن، قیمت :- عہ/

دروس الادب

عربی کی پہلی اور دوسری ریڈرین جن کو مصنف نے عربی کے ابتدائی طالب علمون کے لئے اس طرح لکھا ہے کہ طالب علم کو ادب اور نحو کے ساتھ ساتھ تعلیم اور مشق ہو سکے، اکثر مدارس مین یہ داخل نصاب ہے،

قیمت :- جلد اول ۳/، جلد دوم ۶/

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

تاریخ اسلام کامل (حصہ اول)

از جناب مولوی عبدالقیوم صاحب ندوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۳۴ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت معمولی قیمت للعہ/ پتہ:- محمد زبیر کتب خانہ امجدیہ ستر کھ ضلع بارہ بنکی،

مصنف روشناس صاحب قلم اور متعدد کتابون کے مصنف ہین، انھون نے اسلام کی ایک کامل تاریخ لکھی ہے، جس مین اُن کے بیان کے مطابق ابتداے آفرینش سے قیامت تک کے حالات ہونگے" چنانچہ اس حصہ مین تخلیق عالم سے لیکر بنی امیہ کے خاتمہ تک کی تاریخ ہے، اس کی تالیف مین عربی ماخذون کے علاوہ اردو مین بھی مصنف کو تاریخ اسلام پر جو مستند مواد مل سکا ہے، اس سے فائدہ اٹھایا ہے، خصوصًا دار المصنفین کی کتب سیرت اور تاریخ اسلام سے بکثرت استفادہ کیا ہے لیکن حوالے اُن کے بجاے بیشتر اصل ماخذون کے دیئے ہین، تاہم اس حیثیت سے یہ کتاب قابل قدر ہے کہ اس مین اسلام کی ابتدائی سوا صدی کے متعلق سیاسی، مذہبی، اخلاقی، تمدنی اور علمی وغیرہ ہر قسم کے ضروری اور مفید معلومات سلیقہ سے جمع کردیئے ہین، جس سے پڑھنے والون کے سامنے اسلام کی ہمہ گیر برکتون کا اجمالی نقشہ آجاتا ہے، اگر مصنف اس کتاب کا دامن ازل سے لیکر ابد تک وسیع نہ کردیتے تو بھی اس کی حیثیت مین کوئی فرق نہ آتا اتنی جامعیت اسلامی تاریخ کے لئے ضروری بھی نہین تھی، دوسرے اس کا نباہنا بھی آسان نہین تھا، چنانچہ اس کتاب مین تخلیق عالم سے لیکر ظہور نبوی تک کی تاریخ کا کل سرمایہ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے چند ناتمام واقعات ہین اور وہ بھی دو چار صفحات سے زیادہ نہین، جن کو اس دور کی تاریخ سے کوئی

نسبت نہیں قیامت تک کے حالات کے علم کا ذریعہ تو غیب کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا، اور اگر اس سے مراد قیامت کی پیشنگوئیاں ہیں، تو ان کی حیثیت تاریخ کی نہیں ہے، ایک علمی و ادبی کتاب کی توثیق کے لئے وزرائے حکومت کی تحریریں بھی بالکل غیر ضروری ہیں، اُن کے شکرانے کے دوسرے طریقے بھی ہو سکتے تھے، تاہم ان پہلوؤں سے قطع نظر یہ کتاب تاریخ اسلام سے متعلق متفرق معلومات کے لئے مفید اور عام لوگوں کے مطالعہ کے لائق ہے،

رہنمائے انسانیت یعنی دینِ فطرت } از جناب مولوی صفوۃ الرحمٰن صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۲۲۹ صفحات کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت :- عہ پتہ :- ڈیوڑھی شہریار جنگ محمد سلطان شاہی ڈاکخانہ شاہ علی بنڈہ حیدرآباد دکن،

آج کل مسلمانوں میں عقیدہ اور عمل دونوں قسم کی گمراہیاں پھیلی ہوئی ہیں، ایک طبقہ جو نئے اثرات سے متاثر ہے، اسلام سے بالکل بے گانہ اور بے عمل ہے، اس کی نگاہ میں اسلامی تعلیمات کی کوئی قدر و قیمت نہیں، ایک دوسرا طبقہ جو اس کا منکر نہیں، بلکہ اس پر عامل بھی ہے، لیکن بیشتر مروجہ عقائد و اعمال کو خود اسلام سے بہت کم علاقہ رہ گیا ہے، اور ان پر اوہام اور بدعات کے اتنے حجابات پڑ گئے ہیں کہ ان میں اصلی اسلامی تعلیمات بالکل گم ہو گئی ہیں، اور ان پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں، اس لئے مسلمانوں کی اصلاح کے ساتھ خود بگڑی ہوئی اسلامی تعلیمات میں بھی اصلاح کی ضرورت ہے، یہ کتاب اسی مقصد سے لکھی گئی ہے، اس میں رائج الوقت غیر اسلامی عقائد و تصورات کی پوری تردید کی گئی ہے، اور قرآن مجید و احادیث نبوی کی روشنی میں صحیح اسلامی عقائد و اعمال پیش کئے گئے ہیں، کتاب اپنے مقصد پر حاوی ہے، مصنف نے ان تمام غیر اسلامی عقائد و اعمال کی تصحیح کی ہے جن میں نہ صرف عوام بلکہ بہتیرے تعلیم یافتہ تک مبتلا ہیں، اس لئے مصنف کی یہ دینی خدمت لائق تحسین ہے، لیکن جابجا ان کا طرز اصلاحی کے بجائے مناظرانہ اور مجادلانہ ہو گیا ہے، اور طریقہ تعبیر میں شدت پیدا ہو گئی ہے، جو اصلاح و تبلیغ کے لئے مفید نہیں ہے، خصوصاً ان مختلف فیہ

مسائل میں جن میں تاویل کی گنجایش نکل سکتی ہے، تشدد مناسب نہیں ہے، اور مصنف کے حسن نیت اور ان کے خیالات کی صحت کے باوجود اس سے بعض طبقوں کو شکایت پیدا ہو سکتی ہے، تبلیغ و اصلاح میں شدت کے بجائے نرمی کے ساتھ افہام و تفہیم زیادہ مفید اور کارگر ہوتی ہے، خصوصاً جن مسائل کی مختلف تعبیریں ہو سکتی ہیں ان میں زیادہ سختی مناسب نہیں ہوتی، اس پہلو سے قطع نظر یہ کتاب اپنے مقصد اور خیالات کے اعتبار سے قابلِ قدر اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کے مطالعہ کے لائق ہے،

۵۷ء کے ہیرو، از سیدہ انیس فاطمہ صاحبہ بریلوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۲ صفحے قیمت مجلد عہ، پتہ مسلم یونیورسٹی پریس علی گڈھ

۵۷ء کے انقلاب میں جن بلند ہمت اور حوصلہ مند شخصیتوں نے ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے چھڑانے کی کوشش کی تھی، اس کتاب میں ان میں سے تین واجد علی شاہ کی بیگم حضرت محل، جنرل بخت خان اور ضیاء الملک محمود خان روہیلہ کے مختصر حالات اور کارنامے لکھے گئے ہیں، واجد علی شاہ کی معزولی اور جلاوطنی کے بعد اُن کی بیگم حضرت محل نے اپنے کمسن لڑکے برجیس قدر کو تخت نشین کرکے بڑی بہادری سے انگریزوں کا مقابلہ کیا تھا، جنرل بخت خان بریلی میں حافظ الملک رحمت خان کے پوتے محمود خان کو گدی پر بٹھا کر مقابلہ میں آئے، اور ضیاء الملک محمود خان نے نجیبہ آباد میں بہادر شاہ کی حمایت اور سرپرستی میں مخالفت کا علم بلند کیا تھا لیکن انگریزوں کے تدبر اور ہندوستانیوں کی نااتفاقی سے تینوں کا خاتمہ ناکامی پر ہوا، اس کتاب میں ان تینوں حوصلہ مندوں کی جنگ آزادی اور اس کی ناکامی کی مختصر سرگذشت بیان کی گئی ہے، اس سلسلہ میں حکومت اودھ کی مختصر تاریخ اور اس زمانہ کے متعدد مجاہدین کے حالات بھی آگئے ہیں، مصنفہ کا انداز تحریر ادیبانہ اور موثر ہے، ایک خاتون کے قلم سے ایسی مفید اور سنجیدہ کتاب تحسین و آفرین کی مستحق ہے، کتاب کے شروع میں پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی کے قلم سے ایک مفید اصلاحی مقدمہ ہے،

مرزا شوق لکھنوی از جناب خواجہ احمد صاحب فاروقی تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ؏ پتہ محمد اسلم نمبر ۵، عماد الملک روڈ مسلم یونیورسٹی علی گڈہ وار دو بک ڈپو چھراون ضلع مراد آباد،

اردو کی مثنویون مین نواب مرزا شوق کی مثنویون بہار عشق وزہر عشق خصوصاً زہر عشق کو جو حسن قبول حاصل ہوا، وہ کسی دوسری مثنوی کے حصہ مین نہین آیا، اس کی وجہ یہ ہو کہ حسن بیان ولطف زبان، محاورون اور روزمرہ کے استعمال، فصاحت وسلاست، سادگی وبے ساختگی، جذبات وکیفیات کی مصوری اور جذب وکشش مین کوئی مثنوی زہر عشق اور بہار عشق کا مقابلہ نہین کر سکتی اور اُن کے جیسے بہتر نمونے ان دونون مین ملتے ہین، ان سے اردو کی دوسری مثنویان خالی ہین، اور اس صف مین گلزار نسیم اور سحر البیان بھی اپنی تمام خصوصیات کے باوجود ان کا مقابلہ نہین کر سکتین، زہر عشق پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، لیکن بہار عشق کا پورا حق ادا نہین کیا گیا تھا، مصنف نے اس کتاب مین اس کو ادا کیا ہے، وہ صاحب ذوق ادیب ونقاد ہین، اس لئے بڑی خوبی سے زہر عشق اور بہار عشق کا تجزیہ کر کے ان کی خصوصیات اور ان کے محاسن ومعائب دکھائے ہین، انداز بیان دلکش اور ادیبانہ ہے،

ہماری کتاب قاعدہ پہلا دوسرا اور تیسرا حصہ } مرتبہ جناب افضل حسین صاحب ایم اے بی ٹی ناظم درسگاہ جماعت اسلامی، تقطیع بڑی کاغذ کتابت بہتر قیمت فی حصہ، مجموعی عمر پتہ مکتبہ جماعت اسلامی رامپور

مسلمان بچون کی ابتدائی تعلیم کی کتابون کی کمی نہین ہو، لیکن ایسی کتابین بہت کم ہین جن مین ان کی تمام تعلیمی ضرورتون کا لحاظ رکھا گیا ہو، یہ نصاب اسی ضرورت کے پیش نظر مرتب کیا گیا ہے، اس مین اصول تعلیم کے مطابق اردو کی تعلیم کے ساتھ مذہبی واخلاقی تعلیم وتربیت، مفید مذہبی معلومات تاریخ اسلام کے متفرق مؤثر واقعات بچون کے ذوق کی دلچسپ حکایات ومنظومات وغیرہ وہ تمام باتین موجود ہین جو ایک مسلمان بچے کے لئے ضروری ہین، اسلئے یہ نصاب تعلیمی اور مذہبی دونون حیثیتون سے ان کے پڑھانے کے لائق ہے،

"م"

جلد ۶۶ ماہ شوال المکرم ۱۳۶۹ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۵۰ء عدد ۲

مضامین

مقالات

تلخیص وتبصرہ

ادبیات